سلسلۂ تصفیہ

تصوفِ اسلام

اسلامی تصوف کا عطر، اور قدما صوفیہ کی تصانیف پر تبصرہ

طبعِ ثانی بعد اضافہ و نظرِ ثانی

مؤلفہ

عبدالماجد

مرتب ملفوظات مولانائے روم و مدیر سچ

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

در مطبع معارف اعظم گڈھ بچاپ رسید

۲۹

ت

ملنے کا پتہ: دار المصنفین اعظم گڈھ

قیمت عہ

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

پورے پانچ سال ہونے کو آئے جب تصوفِ اسلام اول بار شایع ہوئی تھی، ربِ کریم کے الطافِ بے کران کا شکریہ کس زبان سے ادا کیا جائے جس نے اپنے اس ہیچمدان اور بے مایہ بندہ کی قلمی کوشش کو مقبول بنایا، اور تین ساڑھے تین برس کی مدت میں پہلے ایڈیشن کو ختم کرا دیا۔ [illegible] کی آخری سہ ماہی میں طبع اول کے مسودہ پر نظرِ ثانی، ترمیم، و اضافہ کا موقع ملا، اور [illegible] کی آخری سہ ماہی میں اس کی اشاعت کی نوبت آ رہی ہے، ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

طبع اول کو بعض اہل دل بزرگوں کی پیشگاہ سے خلعتِ قبول حاصل ہوا، اور ان کی دعاؤں کی برکتیں رائگان نہیں جا سکتیں، دوسری طرف نامور مستشرق کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر نکلسن نے بھی بہت حوصلہ افزا خیالات کا اظہار فرمایا، اور اپنے گرامی نامہ میں اس ناچیز تالیف کو "طلبۂ تصوف کے لئے ایک نہایت مفید مقدمہ" قرار دیا، وہ کریم و کارساز جس ذرہ کو چاہے، آفتاب بنا دے، اور جس بے مایہ کو چاہے، سرمایہ سے مالامال کر دے، "دادِ حق را قابلیت شرط نیست"، جس کسی نے کہا ہے، بالکل صحیح کہا ہے،

موجودہ اڈیشن میں مسودہ پر نظرِ ثانی لفظاً لفظاً کی گئی ہے، جا بجا عبارتیں بدل دی گئی ہیں، کہیں کہیں کسی مشکل لفظ کی جگہ آسان لفظ رکھ دیا گیا ہے، اکثر مقامات پر

اضافہ کئے گئے ہیں، اور ایک فاضل دوست کے حسب مشورہ ایک پورا باب (باب ۲) سرے
سے بالکل نیا شامل کر دیا گیا ہے، ان کے علاوہ آخر میں دو مضامین، اپنے ہفتہ وار سچ سے
نقل کرکے بطور ضمیمہ بڑھا دیئے گئے ہیں، ممکن ہے، ان کے مطالعہ سے کسی طالب کو کچھ
نفع پہونچ جائے، مقصد ان دونوں مقالات کا بھی وہی ہے، جو ان اوراق کا ہے، یعنی صحیح اسلامی
تصوف کی توضیح و تشریح، ان سب تغیرات سے قدرۃً حجم میں خاصہ اضافہ ہوگیا ہے، ظاہری
ضخامت کے اضافہ کے ساتھ خدا کرے کچھ معنوی خوبیاں بھی پیدا ہو گئی ہوں،

پچھلے سال، اللہ کے فضل و کرم سے، صاحب مثنوی حضرت مولانائے رومیؒ کے
ملفوظات طیبات کی بھی جو اب تک غیر مطبوع اور شاید نامعلوم بھی تھے، بہ اضافہ مقدمہ
و تبصرہ و حواشی طبع و اشاعت کی توفیق نصیب ہوگئی، جو حضرات فارسی کی استعداد
دوسط درجہ کی رکھتے ہیں، اور تصوف کی تشریح، اس مشہور و معروف عارف کامل کی زبان
سے نثر میں سننا چاہتے ہیں، وہ شاید فیہ ما فیہ (کہ یہی اس ملفوظ کا نام ہے) کا مطالعہ اپنے لئے
بے لطف و بے نفع نہ پائیں و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین،

دریاباد۔ بارہ بنکی

ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

عبد الماجد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع اول (۱۹۲۴ء)

اسلام خدا کی طرف سے بندوں کے حق میں کامل ترین و جامع ترین پیام رحمت ہے، انسان کی ذہنی و عقلی، اخلاقی و معاشرتی، جسمانی و روحانی، انفرادی و اجتماعی تمام ضرورتوں کا کفیل، اور ہر شعبۂ حیات میں ترقیوں کا ضامن۔ خدارسی و خداشناسی کی تعلیم اس کا اصل مقصود تھی، اسی پر اس نے خاص طور سے زور دیا، اور اس کے ذرائع و وسائل اس نے اس جامعیت کے ساتھ بیان کیے کہ ان میں کسی قسم کے تغیر و ترمیم، تخفیف و اضافہ کی گنجائش نہ چھوڑی۔

مسلمانوں میں ابتدا سے ایک گروہ ایسا موجود رہا ہے جس نے تمام مقاصد دنیوی سے قطع نظر کرکے، اپنا نصب العین محض یاد خدا و ذکر الٰہی کو رکھا، اور صدق و صفا، سلوک و احسان کے مختلف طریقوں پر عامل رہا۔

شروع شروع یہ گروہ دوسرے ناموں سے ملقب رہا۔ ایک طویل عرصہ گذر جانے کے بعد رفتہ رفتہ اس کے مسلک کا نام مسلک "تصوف" پڑ گیا، اور یہ گروہ "گروہ صوفیہ" کہلانے لگا۔

اصطلاح "تصوف" کب سے رائج ہوئی؟ اس بحث کا یہاں موقع نہیں، نہ اس لفظ کے اشتقاق اور اس کی تحقیق لغوی کو اس وقت بیان کرنا مقصود ہے، یہاں کہنا صرف یہ ہے کہ اس گروہ کے اکابر قدیم پہلے مسلمان تھے پھر صوفی۔ وہ تصوف کو اسلام کے مقابل ایک جداگانہ مسلک کی حیثیت سے نہیں لاتے تھے، بلکہ اسلام کے ماتحت، اسی کی پاکیزہ ترین صورت کو

رکھتے تھے، وہ اپنے اسلام کو اپنے تصوف پر مقدم رکھتے تھے، اور تصوف کو محض اس لئے عزیز و محبوب رکھتے تھے کہ وہ ان کی نظر میں اسلام کی خالص ترین و پاکیزہ ترین تعبیر تھی)

صفحات آئندہ میں بعض قدیم اکابر صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم کی اصل تصانیف کی مدد سے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے، کہ ان حضرات کے نزدیک تصوف کا مفہوم محض اس قدر تھا، کہ اتباع کتاب و سنت میں انتہائی سعی کیجائے، اسوۂ رسول و صحابہؓ کو دلیل راہ رکھا جائے، اوامر و نواہی کی تعمیل کیجائے، طاعات و عبادات کو مقصود حیات سمجھا جائے، قلب کو محبت و تعلق ماسوا سے الگ کیا جائے، نفس کو خشیت الٰہی سے مغلوب کیا جائے، اور صفائے معاملات و تزکیۂ باطن میں جہد و سعی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے پائے۔)

(حضرت شیخ جیلانیؒ بلکہ ان کے مرید باختصاص، اور بانی سلسلۂ سہروردیہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ تک کی تصانیف میں یہ اسلامی عنصر قائم اور یہی رنگ غالب ہے، اس زمانہ کے بعد شیخ ابن عربیؒ[1] کے اثر سے نظام تصوف میں فلسفیانہ عنصر کو غلبہ ہونے لگا، وحدت وجود وغیرہ کے مسائل پیدا ہونے لگے، اور فارسی شاعری کے اثر سے ان تخیلات کو اور تقویت ہوتی گئی، چنانچہ ملا جامیؒ کی لوائح (جیسا کہ آگے چل کر اسی کے تبصرہ کے ذیل میں ظاہر ہوگا) ایک اچھی خاصی فلسفیانہ تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے، تاہم نویں صدی کا یہ تصوف بھی اگرچہ ابتدائی صدیوں کے تصوف سے بہت کچھ منحرف ہوچکا تھا، ان رسم پرستیوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا جن پر آج اکثر خانقاہوں اور درگاہوں میں تصوف کا اطلاق ہوتا ہے۔)

تصوف کی موجودہ مسخ شدہ شکل یونانی اوہام، ایرانی تخیلات، ہندی جرائم، اور دیگر غیر اسلامی عناصر کا ایک معجون مرکب ہے جس کے صرف بعض اجزا اسلامی کہے جا سکتے ہیں، اور وہ

---

[1] شیخ ابن عربی شیخ سہروردی کے ہمعصر تھے،

بھی بڑی تلاش و دیدہ ریزی کے بعد نظر آتے ہیں، حاشا ثم حاشا، یہ اسلامی تصوف نہیں، اسلامی تصوف وہ تھا جو خود حضرت سرور کائنات صلعم کا تھا، جو ابو بکر صدیقؓ و علی مرتضیٰؓ کا تھا، جو سلمانؓ و ابو ذرؓ کا تھا، جس کی تعلیم جنید بغدادیؒ اور رابعہ بصریؒ نے دی ہے، جس کی ہدایت شیخ جیلانیؒ و شیخ سہروردیؒ خواجہ اجمیریؒ، و محبوبؒ دہلوی، خواجہ نقشبندیؒ و مجدد سرہندیؒ کرتے رہے، اور جس کی دعوت اس دور آخر میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی زبان قلم دیتی رہی۔)

(خواجہ معین الدین اجمیریؒ سلسلۂ چشتیہ کے مسلم مقتدائے بزرگ گزرے ہیں، ملفوظات مبارک کا مجموعہ دلیل العارفین کے نام سے خواجہ قطب الدین بختیارؒ کا فراہم کیا ہوا، شائع ہو چکا ہے، (ازاول تا آخر) مذکور (اول سے آخر تک نماز و عبادات کی تاکید اور اتباع سنت رسولؐ کے فضائل سے لبریز ہے) وضو وغیرہ کے بعض معمولی سنن کی پابندی پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ آج اکثروں کو فرائض میں ان کا نصف اہتمام بھی نصیب نہیں، اور اس باب میں اس سے بھی زیادہ قابل ذکر بانی سلسلۂ عالیہ قادریہ محبوب سبحانی حضرت شیخ جیلانیؒ کی کتاب غنیۃ الطالبین ہے، جو شروع سے آخر تک بجائے کسی درویش و صوفی کے ایک ٹھیٹھ فقیہ اور عالم شرع کی فقہی تالیف نظر آتی ہے۔)

(سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے ایک اور گوہر درخشاں خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلویؒ تھے جن کے ملفوظات میں سب سے زیادہ معتبر رسالہ فوائد الفواد (مرتبہ امیر حسن علاء سجزیؒ) اور حالات و سوانح میں رسالہ سیر الاولیا (مرتبہ میر خورد دہلویؒ) موجود ہیں، ان رسائل کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

"بندہ را پیش طلبید و فرمود کہ باید کہ مشغول پیوستہ بہ طاعت و عبادت باشی۔" (ص ۲۴ فوائد الفواد مطبوعہ نولکشور) "حکایت جماعت متحیران افتاد ...... یکے از حاضران حکایت کرد کہ من وقتے بجائے رسیدم و ایں چنیں ہفت کس را دیدم دو چشم در آسمان داشتہ شب و روز

متحیر ماندہ مگر آنکہ وقت نماز در می آمد ایشان نماز می گذاردند و باز ہمچنان متحیر می ماندند، خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ آرے انبیا معصوم اند و اولیا محفوظ چنین باشد کہ گفتی، اگرچہ شب و روز متحیر باشند اما نماز ایشان فوت نہ شود" (صـ۱۲۷ ایضاً)

"چون عمر عزیز سلطان المشائخ بہ ہشتاد کشید پنج وقت نماز بجہت جماعت از بالاے بام جماعتخانہ کہ عمارتے بس رفیع است فرود آمدے و باز دیشان و عزیزان کہ در آن جمع ملکوت حاضر می شدند نماز گذاردے" (سیر الاولیاء صـ۱۲۲)

(اکابر چشتیہ کی ساری زندگیاں، صحیح اسلامی تصوف کا نمونہ تھیں تفصیل کسی مناسب موقع پر بیان ہوگی،)

(عہد نبوت سے تقریباً ایکہزار سال گزرنے پر شیخ احمد سرہندیؒ پیدا ہوئے جنھوں نے نہ صرف سلسلۂ نقشبندیہ بلکہ تمام سلاسل تصوف مین تجدید و اصلاح کا صور اس بلند آہنگی کے ساتھ پھونکا، کہ اس کی صداے بازگشت آج تک دنیاے اسلام کے در و دیوار سے آرہی ہے، شیخ موصوفؒ کے مکتوبات کے ضخیم دفتر ملک مین شائع ہو چکے ہین، ان مین شروع سے آخر تک مختلف اسلوبون اور پیرایون مین صرف ایک ہی دعوی کی تکرار، صرف ایک دعوت کا اعادہ ہے، اور وہ یہی ہے کہ صوفیہ کو عقائد و اعمال ہر شے مین کتاب و سنت ہی کو اپنا دلیل راہ بنانا چاہیے اور اس کے خلاف جس کسی کے بھی اقوال ہون انھیں مردود سمجھنا چاہیے) چند اقتباسات ملاحظہ ہون:۔

"بدانکہ از جملۂ ضروریات طریق سالک اعتقاد صحیح است کہ علماء اہل سنت آن را از کتاب و سنت و آثار سلف استنباط فرمودہ اند۔۔۔۔۔ و اگر بالفرض خلاف آن معانی مفہومہ کشف و الہام امرے ظاہر شود، آن را اعتبار نہ باید کرد و از آن استعاذہ باید نمود" (مکتوبات مجددی حصہ ہشتم مکتوب ۱۱ دفتر سوم)

"شریعت را صورتے ست و حقیقتے، صورتش آن ست کہ علمائے ظواہر بہ بیان آن متکفل اند و
حقیقتش آن کہ صوفیہ علیہ بآن ممتاز اند۔ (حصہ ۲ صفحہ ۵۵)

"آنچہ بر ما فقیران لازم ست دوام ذل ست و افتقار و انکسار و تضرع و التجا و ادائے وظائف
عبودیت و محافظت حدود شرعیہ و متابعت سنت سنیہ (حصہ ۳ صفحہ ۳۰)

" ولایت را درجات اند بعضہا فوق بعض، زیرا کہ بر قدم ہر نبی ولایت است مخصوص بآن
و اقصائے درجات آن ولایت درجہ ایست کہ بر قدم پیغمبر ماست ...... و ازین مقام عزیز الوجود
نصیب کامل و حظ وافر حاصل ست مر کمل تابعان آن سرور را علیہ الصلوٰۃ والسلام پس لازم
گیرید متابعت آنحضرت را صلعم اگر شما یان تحصیل این دولت قصویٰ و تکمیل این درجۂ علیا متوجہ اید"

(حصہ اول ص۱۳)

" محمد رسول اللہ محبوب رب العالمین است، ہر چیز کہ خوب و مرغوب است از برائے مطلوب
محبوب است اللہ حق سبحانہ تعالیٰ در کلام مجید خود می فرماید اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ و نیز می فرماید
تعالیٰ و تقدس اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ و نیز فرمودہ تعالیٰ و تقدس اَنَّ هٰذَا
صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ حق تعالیٰ او را علیہ الصلوٰۃ والسلام صراط مستقیم خواندہ
و ماسوائے او را داخل سبل گردانیدہ و اتباع آن منع فرمودہ .... باطن متمم ظاہر است
و مکمل آن سر موئے با یکدیگر مخالفت ندارد ...... پس سالکان سبل طریقت و حقیقت را اگر در
اثنائے راہ اموریکہ بظاہر با شریعت در جنگ اند ظاہر شوند و ظاہر سازند مبنی بر سکر وقت
و غلبۂ حال است اگر از آن مقام گذرانند و بہ صحو آرند آن منافات بالکلیہ مرتفع می شود
و آن علوم متضادہ بہ تمام ہباءً منثورا میگردند۔ (ایضاً حصہ ۲ ص۳۶)

مکتوبات مجددی کی ایک ایک سطر اسی تعلیم محمدی سے لبریز ہے۔

وھو فقیہ مشائخھم الیوم[1]

شیخ فرید الدین عطارؒ لکھتے ہین، "درفنون علم کامل بود"

اساتذہ مین جعفر الخلدیؒ، ابوبکر محمد بن داؤد الدقیؒ، واحمد بن محمد سائحؒ کے نام قابل ذکر

ہین بیعت ابو محمد مرتعش سے تھی[2] مولانا جامیؒ وغیرہ ستی۔ تذکرہ نویسون نے سری سقطیؒ و سہل تستریؒ

سے ملاقات کا حال بیان کیا ہے لیکن پروفیسر نکلسن کی تحقیق مین یہ روایت قطعاً غلط ہے[3]

"تصوف پر متعدد کتابین تصنیف کین[4] لیکن آج بجز کتاب اللمع کے اور کوئی موجود نہین

بلکہ اُن کے نام تک بھی مٹ گئے ہین"

تصوف مین جو بلند مرتبہ رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ شیخ فرید الدین

عطار رحمۃ اللہ علیہ جیسے مسلم شیخ الشیوخ ان کا تذکرہ ان الفاظ مین کرتے ہین[5] "آن عالم عارف،

آن حاکم خائف، آن امین زمرۂ کبرا، آن نگین حلقۂ فقرا، آن زبدۂ استاذ شیخ وقت ابونصر سراج

رحمۃ اللہ علیہ، امامے بر حق بود و یگانۂ مطلق و متعین و متمکن، و او را طاؤس الفقرا گفتندے، و صفت

و نعت او نہ چندان است کہ در قلم و بیان آید و یا در عبارت و زبان گنجد، و در فنون علم کامل بود

و در ریاضت و معاملات شانے عظیم داشت، در حال و قال و شرح دادن بہ کلمات مشائخ

آیتے بود"

اس قسم کے الفاظ مختصراً مولانا جامیؒ وغیرہ نے بھی استعمال کئے ہین ان کے چند ارشادات

جو تذکرون مین محفوظ رہ گئے ہین، ان سے بھی اہل ذوق مرتبۂ کمال کا اندازہ کرسکتے ہین،

---

[1] یہ پوری عبارت پروفیسر نکلسن کے مقدمۂ کتاب اللمع سے منقول ہے، [2] نفحات جامی، نکلسن کے نزدیک

روایت مشتبہ ہے، [3] مقدمۂ کتاب اللمع، [4] نفحات الانس جامی وسفینۃ الاولیاء دارا شکوہ، صفحہ ۱۰۴ (نولکشور)

[5] تذکرۃ الاولیاء عطارؒ صفحہ ۱۸۲، جلد ۲ (مطبوعہ یورپ)

[۱] فرماتے تھے، عشق اس آگ کا نام ہے، جو عاشقوں کے دل اور سینے میں جلتی رہتی ہے، اور خدا کے سوا جو کچھ ہے، اسے جلا کر خاکستر کر دیتی ہے[۱]"

[۲] یہ بھی ارشاد تھا، کہ بلحاظ ادب انسانوں کے تین طبقہ ہیں، ایک طبقہ اہل دنیا کا ہے کہ انکے نزدیک ادب نام ہے فصاحت، بلاغت وحفظِ علوم وفنون و اسماے ملوک و اشعارِ عرب کا، دوسرا طبقہ اہل دین کا ہے جس کے نزدیک ادب سے مراد عبادت جوارح وحفاظت حدود و ترک شہوات وریاضت نفس ہے[۲]، تیسرا طبقہ اہل خصوص کا ہے، اس کے ہاں ادب سے مفہوم طہارت دل، مراعات سر، وفاے عہد، نگہداری وقت، نیکو کرداری، وقت حضور و مقام قرب ہے[۳]

[۳] ایک تیسرا ارشاد ہے جس کے الفاظ کی نزاکت اردو ترجمہ کی متحمل نہ ہو سکے گی، اسے اصل فارسی میں سننا چاہیے:-

(تو نیست بخدا است و از خدا و برائے خدا است، و آفاقی کہ در نماز افتد، ز نیست شد و اگرچہ بسیار بود و آن را موازنہ نتوان کرد، با نیستے کہ خدا را بود و بخدائے بود[۴])]

ایک بار ماہِ رمضان میں بغداد میں وارد ہوئے، اور مسجد شونیزیہ کے ایک حجرے میں معتکف ہوئے، درویشوں نے متفق ہو کر نماز میں اپنا امام بنایا، ماہ مبارک کی تراویح میں پانچ بار قرآن مجید ختم کیا، روزانہ افطار کے وقت خادم ایک روٹی حجرہ میں پہونچا آتا تھا، عید کی نماز پڑھا کر بغداد سے روانہ ہو گئے، خادم نے حجرے میں جا کر دیکھا، تو پوری روٹیاں جوں کی توں رکھی ہوئی پائیں[۵]،

ایک مرتبہ سردی کے موسم میں شیخ قریب آتشدان کے قریب تشریف فرما تھے، چند اور اہل دل حضرات بھی تھے، معرفت الٰہی پر گفتگو ہو رہی تھی، دفعۃً شیخ پر زور کی کیفیت طاری ہوئی اور جوش میں آکر دہکتی ہوئی آگ میں سجدے میں گر پڑے، مریدین خوفزدہ ہو کر باہر بھاگے،

---

[۱] تذکرۃ الاولیاء عطار جلد ۲ صفحہ ۳۰ (مطبوعہ یورپ) [۲] ایضاً، [۳] ایضاً، [۴] ایضاً، [۵] کشف المحجوب شیخ علی ہجویری صفحہ ۴۳۰ (لاہوری)

دوسرے روز آئے تو دیکھا کہ شیخ کے چہرہ پر جلنے کا خفیف داغ تک بھی نہیں، بلکہ چہرہ چاند کی طرح چمک رہا ہے، عرض کیا حضور والا یہ کیا ماجرا ہے، ہم تو سمجھ رہے تھے، کہ سارا چہرہ جل گیا ہوگا، ارشاد ہوا کہ (جس نے درگاہ الٰہی پر اپنی آبرو دیدی، اس کے چہرہ کو آگ نہیں جلا سکتی ؎)

ایک روایت مشہور کے مطابق وفات سے قبل فرمایا، کہ جس میت کو میرے مزار کے سامنے سے لیکر نکلیں گے، اس کی مغفرت ہو جائیگی، چنانچہ طوس میں ابتک یہ دستور چلا آتا ہے، کہ ہر جنازہ کو پیشتر آپ کے مزار پر لاتے ہیں ؎،

(۲) تصنیف

آج سے چند سال قبل دنیا کتاب المع کے صرف نام سے آشنا تھی ۱۹۰۵ء میں انگلستان کے نامور مستشرق ڈاکٹر نکلسن نے جو کیمبرج میں فارسی زبان کے پروفیسر ہیں، اور کتب تصوف سے ذوق نہیں بلکہ عشق رکھتے ہیں، اس کے دو قلمی نسخہ دریافت کیے، ایک نسخہ ایک انگریز مسٹر ہلز کے پاس نکلا اور دوسرا انگلستان کے مشہور و معروف کتبخانہ برٹش میوزیم کو کہیں سے ہاتھ لگ گیا تھا، پہلا نسخہ ۱۹۷ ورق کی ضخامت رکھتا ہے، اور صاف خوشنما خط میں احمد بن محمد الطاہری کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، ختم کتابت کی تاریخ ۱ ربیع الثانی ۶۶۱ھ (مطابق ۲۴ جون ۱۲۶۳ء) درج ہے، جس نسخہ سے یہ نسخہ نقل کیا گیا ہے، اس کی تاریخ اس نسخہ پر ۱۰ شعبان ۵۴۸ھ (مطابق ۱۵ اپریل ۱۱۵۳ء) درج ہے، مختلف نسخوں کے حواشی بھی اس نسخہ پر موجود ہیں، یہ نسخہ کسی قدر کرم خوردہ ہے، جس سے جابجا حواشی اڑ گئے ہیں، اور ایک جگہ مسلسل دس پندرہ ورق غائب ہو گئے ہیں، جس کے باعث مسلم پانچ ابواب اور چھٹے باب کے ابتدائی جزسے دنیا محروم ہو گئی ہے، دوسرا نسخہ مملوکہ برٹش میوزیم بہت بدخط کرم خوردہ اور ناقص ہے، تاہم اس کا زمانۂ کتابت، بہ مقابلہ نسخۂ اول، کے زمانۂ مصنف سے قریب تر ہے اسکی

؎ تذکرۃ الاولیا، نفحات الانس، سفینۃ الاولیاء ؎ ایضاً،

زمانۂ کتابت جمادی الثانی ۵۴۸ھ (مطابق اگست وستمبر ۱۱۵۳ء) درج ہے،

پانچ برس کی جان فشانی و دیدہ ریزی کے بعد پروفیسر نکلسن نے ان دونون نسخون کے مقابلہ کے بعد اصل کتاب کو غایت صحت و اہتمام کے ساتھ ۱۹۱۴ء مین شائع کردیا، اور اس پر اشیائے ذیل کا اضافہ کیا ہا

(۱) شروع مین نہایت مفصل فہرست مضامین دی،

(۲) آخر مین نہایت مبسوط فہرست رجال و نساء، اماکن و قبائل، و کتب وغیرہ مندرجۂ مذکورۂ متن شامل کی،

(۳) فٹ نوٹ (حواشی ذیلی) بہت کثرت سے دیئے، دونون نسخون مین جو اختلاف پائے جاتے ہین، ان کے جزئیات تک کو ان حواشی مین درج کردیا ہے،

(۴) ساری کتاب کا ملخص ترجمہ انگریزی مین کرکے شامل کیا،

(۵) مصنف نے جو غریب و نامانوس الفاظ استعمال کئے ہین، ان کی مفصل فرہنگ دی اور انگریزی مین ان کے معانی کو حل کیا،

(۶) فہرست مضامین انگریزی مین بھی دی،

(۷) جن اسماء و اعلام سے متعلق کوئی اہم بحث کتاب اور اس کے انگریزی خلاصہ مین موجود ہے اُن کی بھی مفصل فہرست انگریزی مین شامل کی،

(۸) انگریزی مقدمہ مین مصنف تصنیف، اور موضوع تصنیف کو روشناس کیا،

(۹) ان چالیس صوفیۂ کرام کی فہرست جنکی شخصیت یا جنکی تصانیف سے شیخ سراج نے استفادہ کیا ہے، مع ضروری تصریحات کے انگریزی مین شامل کی،

(۱۰) شیخ نے بہت سے ایسے صوفیہ کا تذکرہ کیا ہے جنکا نام دوسری کتابون مین بالکل نہین

آیا ہے، یا نادراً آیا ہے، اس قسم کے ایک سو میں صوفیائے کرام کی فہرست مع ان کے حالات کے جہاں تک معلوم ہو سکے انگریزی میں درج کی،

ان کے علاوہ اور بھی متعدد اضافے کئے، ان خصوصیات معنوی کے پہلو بہ پہلو نہایت اعلیٰ کاغذ اور حسنِ طباعت کے جملہ لوازم کے ساتھ یہ کتاب شائقین کے ہاتھوں تک پہونچ رہی ہے،

کتاب کا پورا نام کتاب اللُّمع فی التصوف ہے۔ ملا جامی کی نفحات الانس میں اس کتاب کا املا کتاب اللمعہ درج ہے، لیکن اور ہر کتاب میں اس کا املا بجائے اللُّمعہ کے اللُّمع ملتا ہے، اور نکلسن نے بھی اسی کو قائم رکھا ہے۔

متنِ کتاب کی ضخامت ۴۳۴ صفحہ کی ہے۔ مقدمۂ مصنف چار صفحہ تک آیا ہے، جو اس قسم کے مباحث پر شامل ہے: باب البیان عن علم التصوف، باب فی نعت طبقات اصحاب الحدیث، باب الکشف عن اسم الصوفیہ، باب اثبات علم الباطن، باب التصوف ما ہو، باب صفۃ الصوفیہ و من ہم، باب التوحید وصفۃ الموحد، اس کے بعد منطقی ترتیب کی پابندی کے ساتھ کتاب حسب ذیل حصوں میں تقسیم ہے۔

(۱) کتاب الاحوال والمقامات، (صفحہ ۴۱) اس کے ماتحت مقامات، احوال اور ان کے حقائق میں سے ہر شے پر الگ الگ ایک ایک باب میں بحث کی گئی ہے۔ مثلاً باب مقام التوبہ، باب مقام الورع، باب مقام الزہد، باب مقام الصبر، باب مقام التوکل، باب حال الخوف، باب حال المحبۃ، باب حال الشوق، باب حال المشاہدہ، باب حال الیقین وقس علیٰ ہذا،

(۲) ان اصطلاحات صوفیہ کی تشریح کے بعد آغازِ کلام کتاب اللہ سے کیا ہے، اور اس حصہ کا نام کتاب اہل الصفوۃ فی الفہم والاتباع لکتاب اللہ رکھا ہے، (صفحہ ۷۲) اس کے تحت میں اس قسم کے ابواب ہیں،

باب الموافقہ لکتاب اللہ، باب ذکر تفاوت المستمعین خطاب اللہ تعالیٰ و درجاتہم فی فہم الخطاب

باب وصف ارباب القلوب فی فہم القرآن، باب ذکر السابقین والمقربین والابرار من طریق الفہم والاستنباط وغیرہ،

(۳) «کتاب» کے بعد ہی قدرۃً «سنت» کا ذکر آنا چاہیے، چنانچہ یہ حصہ کتاب الاسوۃ والاقتداء برسول اللہ صلعم سے موسوم ہے (ص[illegible]) اس کے تحتانی ابواب کے عنوانات اس قبیل کے ہیں، باب وصف اہل الصفوۃ فی الفہم والموافقۃ والاتباع للنبی صلعم، باب ما روی عن رسول اللہ صلعم فی اخلاقہ وافعالہ واحوالہ التی اختارہا اللہ تعالیٰ، باب ما ذکر عن المشائخ فی اتباعہم رسول اللہ صلعم وتخصیصہم فی ذالک،

(۴) کتاب المستنبطات، (ص[illegible]) اتباع قرآن وحدیث کے بعد ترتیباً تعیین احکام ومسائل کا ذکر آنا چاہیے، جو ان پر متفرع اور ان سے مستنبط ہوتے ہیں، چنانچہ عین اسی فطری ترتیب کے مطابق چوتھے نمبر پر یہ حصہ ملتا ہے، اس کے ذیل میں اس قسم کے مباحث مندرج ہیں، باب مذہب اہل الصفوۃ فی المستنبطات الصحیح فی فہم القرآن والحدیث، باب فی کیفیۃ الاختلاف فی مستنبطات اہل الحقیقۃ فی معنی علومہم واحوالہم، باب فی مستنبطاتہم فی معانی اخبار مرویۃ عن رسول اللہ صلعم من طریق الاستنباط والفہم وغیرہ،

(۵) کتاب الصحابہ رضوان اللہ علیہم (ص[illegible]) قدیم صوفیۂ کرام اتباع سنت نبوی کے بعد آثارِ صحابہؓ کی پیروی اپنے لیے باعثِ افتخار سمجھتے تھے، اس لیے قدرۃً ایک مستقل حصہ انکی نذر ہے، اس کے ذیلی ابواب میں خلفائے ارشدینؓ، اصحابِ صفہؓ اور تمام اصحابِ نبوی پر الگ الگ عنوان کے تحت میں گفتگو کی ہے،

(۶) کتاب آداب المتصوفہ (ص۱۴۱-۲۱۰) اس کے تحتانی ابواب کے چند عنوانات یہ ہیں، باب آدابہم فی الوضوء والطہارۃ، باب فی ذکر آدابہم فی الصلوۃ، باب ذکر آدابہم فی الزکوۃ والصدقات

باب فی ذکر العدم و آداہم فیہ ، باب ذکر آداہم فی الحج ، باب فی ذکر آداب الفقراء بعضہم مع بعض

باب ذکر آداہم فی الصحبۃ ، باب ذکر آداہم عند مجارۃ الحلم ، باب ما ذکر من آداہم فی وقت الطعام،

باب فی ذکر آداہم فی وقت السماع والوجود ، باب فی ذکر آداہم فی اللباس ، باب فی ذکر آداہم عند

(۷) کتاب المسائل واختلاف اقاویلہم فی الاجوبۃ (ص ۲۱۱-۱۳۱) اس حصہ میں صوفیہ کرام کی زبان سے ان سوالات کے جوابات دیئے ہیں جن کا حل کرنا فقہا و علمائے ظاہر کے لئے دشوار ہے ، مثلاً جمع و تفرقہ ، مسئلہ فنا و بقا ، مسئلہ صدق ، مسئلہ اخلاص ، مسئلہ ذکر ، مسئلہ روح ، وغیرہ اس حصہ کو مختلف ابواب میں تقسیم نہیں کیا ہے ،

(۸) کتاب المکاتبات والصدور والاشعار والدعوات والرسائل (ص ۲۲۶-۲۷۶) اس حصہ میں جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے حضرات صوفیہ کے مکتوبات ، رسائل ، اشعار ، دعوات ، وصایا کا ذکر کیا ہے ، اور ہر ایک کو ایک علٰحدہ باب میں لکھا ہے ،

(۹) کتاب السماع (ص ۲۷۶-۲۹۹) صوفیہ و علمائے ظاہر کے درمیان اور خود صوفیہ میں باہم ایک اہم اختلافی موضوع مسئلۂ سماع ہے ، یہ حصہ اس مسئلہ کی توضیح و تشریح کے لئے وقف ہے ، اس کے ماتحت چند ابواب کے عنوانات یہ ہیں ، باب فی حسن الصوت والسماع وتفاوت المستمعین ، باب فی وصف سماع العامۃ واباحۃ ذلک ، باب فی وصف سماع الخاصۃ وتفاضلہم فی ذلک ، باب فی ذکر طبقات المستمعین ، باب فی وصف سماع المریدین والمبتدئین ، باب فی وصف خصوص الخصوص واہل الکمال فی السماع ،

(۱۰) کتاب الوجد (ص ۳۰۰-۳۱۴) اس حصہ کے مباحث کا اندازہ ابواب تحتانی کے ان عنوانات سے ہوگا ، باب فی ذکر اختلافہم فی ماہیۃ الوجد ، باب فی صفات الواجدین ، باب فی ذکر تواجد المشایخ الصادقین ، باب فی الواجد الساکن والواجد المتحرک وقس علیٰ ہذا ،

(۱۱) کتاب اثبات الآیات والکرامات، (ص ۳۱۶-۳۲۲) کراماتِ اولیاء کا مفہوم صحیح، ان کے اثبات کے دلائل معجزاتِ انبیاءؑ سے انکا فرق، یہ سب مباحث بھی ضروری تھے جو اس حصہ میں آگئے ہیں، عنوانات ابواب کا نمونہ یہ ہے، باب فی معانی الآیات والکرامات، باب فی الادلۃ علی اثبات الکرامات للاولیاء، باب فی ذکر مقامات اہل الخصوص فی الکرامات،

(۱۲) کتاب البیان عن المشکلات، (ص ۳۲۲-۳۷۲) اس حصہ میں کل دو باب ہیں، پہلے باب میں ان الفاظ کو جمع کر دیا ہے، جو صوفیہ کی زبان میں مخصوص اصطلاحی معنی رکھتے ہیں مثلاً حال، مقام، مکان، وقت، مشاہدہ، سیر، کشف، فنا، بقا، توحید، تجرید وغیرہ، دوسرے باب دوم میں ان اصطلاحات کی تشریح کی ہے،

(۱۳) کتاب تفسیر الشطحیات والکلمات التی ظاہرہا مستشنع وباطنہا صحیح مستقیم (ص ۳۷۲-۴۴۸) یہ کتاب کا آخری حصہ ہے، جو پوری تفصیل سے لکھا گیا ہے، اس میں شطحیات صوفیہ کی توجیہ و توضیح ہے، نیز ان غلط فہمیوں کی اصلاح جنمیں اکثر علماء ظاہر و صوفیہ ناقص مبتلا رہتے ہیں، چند ابواب کے عنوانات یہ ہیں، باب فی معنی الشطح، باب تفسیر العلوم و بیان ما اشکل علی فہم العلماء من علوم الخاصۃ و تصحیح ذلک بالحجۃ، باب فی کلمات شطحیات تحکی عن ابی یزید، باب فی ذکر ابی الحسین النوری، باب فی ذکر من غلط من المترسمین بالتصوف ومن این یقع الغلط وکیف وجوہ ذلک، باب فی ذکر من غلط فی الاحوال، باب فی ذکر من غلط فی النبوۃ والولایۃ، باب فی ذکر من غلط فی فقد البشریۃ باب فی ذکر من غلط فی الانوار، باب فی ذکر من غلط فی الروح وغیرہ،

ان عنوانات پر نظر کرنے سے معلوم ہوا ہوگا، کہ تصوف سے متعلق جتنے ضروری پہلو نکل سکتے ہیں، مصنف نے ان میں سے کسی کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا ہے، ہر ضروری شعبہ کو لیا ہے، اور اس پر تفصیل و تحقیق کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے، حضرت مصنف کی زبان میں بھی خاص

سلاست و سادگی ہے، اس لئے جو اشخاص (راقم سطور کی طرح) عربی زبان سے بہت ہی سرسری واقفیت رکھتے ہیں وہ بھی مستفید ہو سکتے ہیں ذیل میں کتاب کے مختلف مقامات سے اقتباسات دیئے جاتے ہیں جن سے نوعیت و مرتبہ تصنیف کا پورا اندازہ ہو سکے گا،

ایک غیر صوفی کے دل میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تصوف ہے کیا شئے؟ اور آیا خود اسلام نے صوفیہ کو کوئی مرتبہ دیا ہے؟ حضرت مصنف اس کے جواب میں کہتے ہیں، کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید (سورۂ آل عمران، آیت ۱۸) میں شهد الله انه لا اله الا هو والملئكة واولوا العلم قائما بالقسط فرما کر

ثم ذكر الله تعالى افضل المؤمنين عنده درجة واعلاهم في الدين مرتبة فذكرهم بعد ملئكته وشهد على شهادتهم له بالوحدانية بعد ما بدأ بنفسه وثنى بملئكته فقال عز وجل شهد الله انه لا اله الا هو والملئكة واولوا العلم قائما بالقسط وروي عن النبي صلعم انه قال العلماء ورثة الانبياء وعندي والله اعلم ان اولي العلم القائمين بالقسط الذين هم ورثة الانبياء هم المعتصمون بكتاب الله تعالى المجتهدون في متابعة رسول الله صلعم المقتدون

تمام مومنین سے بلند و برتر مرتبہ ان کا دکھایا ہے جو اولو العلم اور قائم بالقسط ہیں، اور ملائکہ کے بعد بعضین کا ذکر کیا ہے اور اپنی توحید پر خود اپنی اور اپنے ملائکہ کے بعد بعضین کی شہادت پیش کی ہے، اور حضور سرور کائنات صلعم نے بھی علما کو جانشین انبیاء ارشاد فرمایا ہے سو یہ القاب میرے خیال میں ان لوگوں کے حق میں وارد ہیں جو کتاب اللہ کا سررشتہ مضبوط تھامنے والے اور رسول کریم کی متابعت کے پورے کوشاں، اور صحابہؓ و تابعینؓ کے نقش قدم پر چلنے والے اور خدا کے اولیاء متقین کی راہ اختیار کرنے والے ہیں، ایسے اشخاص کو طبقات سہ گانہ میں رکھا جا سکتا ہے،

ایک طبقہ ارباب حدیث کا ہے، دوسرا فقہا کا اور تیسرا

بالصحابة والتابعين السالكون سبيل اولو المتقين وعبادة الصالحين هم ثلثة اصناف اصحاب الحديث والفقهاء والصوفية فهؤلاء الثلثة الاصناف من اولى العلم القائمين بالقسط

[تینوں طبقہ صوفیائے کرام کا ایسے ہی طبقات ثلثہ اولو العلم، قائمین بالقسط، اور وارثین انبیاء کہے جانے کے مستحق ہیں]

بہت سے امور صوفیہ اور اصحاب حدیث و فقہا کے درمیان مشترک ہیں مثلاً جو معتقدات ان کے ہیں وہی ان کے بھی ہیں، اتباع کتاب اللہ وسنت نبوی وہ اور یہ دونوں اپنے لئے واجب سمجھتے ہیں علوم وفنون سے جس طرح وہ کام لیتے ہیں یہ بھی کام لیتے ہیں۔

ثم انهم من بعد ذلك ارتقوا الى درجات عالية وتعلقوا باحوال شريفة ومنازل رفيعة من انواع العبادات وحقائق الطاعات والاخلاق الجميلة ولهم فى معانى ذلك تخصيص ليس لغيرهم من العلماء

[لیکن اس اشتراک کے بعد صوفیہ انواع عبادات وحقائق طاعات واخلاق جمیلہ میں سے جن درجات عالیہ ومنازل رفیعہ کو طے کر گئے ہیں، وہاں تک علما، فقہا اور اصحاب حدیث کی رسائی بھی نہیں ہو سکی]

صوفیہ کے امتیازی خصوصیات جنمیں دوسرے طبقات ان کے ساتھ شریک نہیں ذیل میں، سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ان کی توحید بالکل خالص ہوتی ہے، غیر اللہ سے وہ کسی صورت میں بھی دل کو نہیں اٹکاتے، ان کی لو صرف اللہ سے لگی رہتی ہے۔

فاول شئ من التخصيصات للصوفية.... ترك ما لا يعنيهم وقطع كل علاقة تحول بينهم وبين مطلوبهم ومقصودهم اذ ليس لهم مطلوب ولا مقصود غير الله تعالى،

[صوفیہ کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ وہ خدا پر نظر رکھتے ہیں، ان کا مقصود ومطلوب تمامتر خدا ہی ہوتا ہے ماسوائے اور لایعنی مشاغل سے انہیں کوئی واسطہ نہیں ہوتا]

اس کا لازمی اثر ان کی زندگی پر یہ پڑتا ہے کہ:۔

فمن ذلك والقناعة بقليل الدنيا عن كثيرها والاكتفاء بالقوت الذي لا بد منه والاختصار على ما لا بد منه من مهنة الدنيا من الملبوس والمفروش والمأكول وغير ذلك واختيار الفقر على الغنى ومعانقة القلة ومجانبة الكثرة وايثار الجوع على الشبع والقليل على الكثير وترك العلو والترفع وبذل الجاه والشفقة على

[وہ قناعت کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں، قلیل کو کثیر پر ترجیح دیتے ہیں غذا، لباس، اور ہر قسم کے سامانِ دنیوی سے صرف مایحتاج کو اختیار کرتے ہیں، اور بجائے تونگری کے تنگدستی، بجائے سیری کے گرسنگی، بجائے افراط کے قلت، بجائے جاہ و ترفع کے تواضع و انکسار، چھوٹے بڑے کے مقابلہ میں اپنے لیے پسند کرتے ہیں]

وحسن الظن بالله والاخلاص في المسابقة الى الطاعات والمسارعة الى جميع الخيرات والتوجه الى الله تعالى والانقطاع اليه والعكوف على بلائه والرضا عن قضايه والصبر على دوام المجاهدة والمخالفة للهوى ومجانبة حظوظ النفس والمخالفة لها اذ وصفها الله تعالى امارة بالسوء والنظر اليها انها اعدى عدوك التي بين جنبيك كما روي عن رسول الله صلعم.

(ص ۱۱۳)

[خدا سے حسن ظن رکھتے ہیں، تمام علائق و اسباب سے قطع نظر کر کے صرف اسی پر تکیہ رکھتے ہیں، نیکیوں اور طاعتوں کی جانب خلوصِ نیت کیساتھ پیشقدمی و تیزروی کرتے رہتے ہیں، بلائے الٰہی پر صابر اور قضائے الٰہی پر راضی رہتے ہیں، مجاہدہ اور مخالفتِ خواہشِ نفس میں مشغول رہتے ہیں] اور اس کو یاد رکھتے ہیں کہ کلام پاک میں نفس کو امارہ بالسوء سے تعبیر کیا گیا ہے، اور حدیث نبوی میں ارشاد ہوا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔

[غرض اُن کے تمام اوصاف و اخلاق سنت نبوی و آثار صحابہؓ کی مطابقت میں ہوتے ہیں اور موجودہ "پیرزادوں" اور سجادہ نشینوں کے "شاہانہ" طرزِ معاشرت سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی]

[منکرینِ تصوف کا ایک گروہ کہتا ہے، کہ قرآن و حدیث میں نہ کہیں صوفیہ کا ذکر آیا ہے، نہ تصوف کا، اس لئے اس مسلک کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا] لیکن حضرت مصنف جس تصوف کے قائل ہیں کلام مجید اس کے ذکرسے بھرا پڑا ہے، وہ فرماتے ہیں، کہ قرآن مجید میں بکثرت ایسے الفاظ و عبارات موجود ہیں جن سے اہل تصوف ہی مراد ہیں، مثلاً صادقین، صادقات، قانتین، قانتات، خاشعین، موقنین، مخلصین، محسنین، خائفین، وجلین، عابدین، صابرین، راضین، متوکلین، مخبتین، اولیا، مصطفین، مجتبین، ابرار، مقربین، سابقین، مقتصدین سارعین، الی الخیرات، نیز شاہدین، مثلاً (او القی السمع وھو شھید) اور مطمئنین، مثلاً (الا بذکر اللہ تطمئن القلوب) اسی طرح متعدد احادیث میں بھی اس طائفۂ عالیہ کی جانب اشارات ہیں، مثلاً

یہ حدیث کہ ان من امتی مکلمون و محدثون وان عمر منہم

یا یہ کہ:-

یدخل بشفاعۃ رجل من امتی الجنۃ مثل ربیعۃ و مضر یقال لہ اویس قرنی

یا پھر یہ کہ:-

یدخل من امتی الجنۃ سبعون الفا بلا حساب قیل من ھم یا رسول اللہ

قال ھم الذین لا یکتوون ولا یسترقون وعلی ربھم یتوکلون ۔

[معترضین کا ایک گروہ کہتا ہے، کہ عہدِ رسالت میں کوئی شخص صوفی کے لقب سے یاد نہیں کیا جاتا تھا اور یہ اصطلاح بہت بعد کو ایجاد ہوئی ہے، اس لیے اسے کوئی مذہبی وقعت نہیں دی جا سکتی]

[مصنف نے اس کا نہایت معقول و دلچسپ جواب یہ دیا ہے،

فنقول وباللہ التوفیق الصحبۃ مع رسول اللہ صلعم لھا حرمۃ وتخصیص من شملہ ذالک	کہ اصحاب رسول صلعم کے لئے کوئی دوسرا تعظیمی لقب مستعمل ہو ہی نہیں سکتا تھا اس لئے کہ ان کے حق میں فضل

فلا یجوز ان یطلق علیه اسم علی انه اشرف من الصحبة وذلك لشرف رسول الله صلعم وحرمته الا تری انهم ایمة الزهاد والعباد والمتوکلین والفقراء والراضین والصابرین والمخبتین وغیر ذلك وما نالوا جمیع ما نالوا الا ببرکة الصحبة مع رسول الله صلعم فلما نسبوا الی الصحبة التی هی اجل الاحوال استحال ان یفضلوا بفضیلة غیر الصحبة

تھے سب سے اشرف و اعلم ان کی فضیلت صحابیت تھی کہ صحبت رسولؐ تمام بزرگیوں اور فضیلتوں سے بڑھکر ہے، ان کا زہد، فقر و توکل، عبادات، صبر و رضا غرض جو کچھ بھی ان کے فضائل تھے، ان سب پر ان کا شرف صحابیت غالب تھا، پس جب کسی شخص کو لفظ صحابی سے ملقب کر دیا گیا، تو اس کے فضائل کی انتہا ہو گئی اور کوئی محل ہی نہیں باقی رہا، کہ اسے صوفی یا کسی دوسرے تخلیی لفظ سے یاد کیا جائے]

[باقی رہا یہ کہنا، کہ یہ اصطلاح بغدادیوں کی رائج کردہ، اور متاخرین کی اختراع ہے] مصنف کی تحقیق میں یہ قول بالکل غلط ہے، اس لئے کہ یہ

واما قول القائل انه اسم محدث احدثه البغدادیون فمحال لان فی وقت الحسن البصری رحمة الله علیه کان یعرف هذا الاسم وکان الحسن قد ادرك جماعة من اصحاب رسول الله صلعم

[یہ لفظ حسن بصری کے زمانہ میں رائج تھا، اور آگے یہ کہ حسن بصری کا زمانہ بعض صحابیوں کی معاصرت کا تھا، چنانچہ ان کے اور سفیان ثوری کے اقوال میں یہ لفظ صوفی استعمال ہوا ہے]

بلکہ کتاب اخبار مکہ کی ایک روایت کے بموجب یہ لفظ عہد اسلام سے پیشتر بھی رائج تھا، اور عابد و برگزیدہ اشخاص کے لیے مستعمل ہوتا تھا۔ صـ۲۲

زمانہ حال کے جو مشائخ طریقت قیود شریعت سے آزاد رہنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں، انہیں یہ سنکر حیرت و مایوسی ہوگی [کہ] قدما صوفیہ کے نزدیک، طریقت شریعت میں مطلق مخالف نہ تھا، بلکہ شریعت ہی کی تکمیل کا نام طریقت تھا، حضرت مؤلف فرماتے ہیں، کہ علم کی دو قسمیں ہیں، ظاہری، باطنی

جب تک اس کا تعلق زبان و اعضاء سے ہے، اسے علم ظاہری سے تعبیر کریں گے، اسی کا نام علم شریعت ہے، مثلاً عبادات میں طہارت، نماز زکوٰۃ، حج وغیرہ یا احکام میں طلاق، فرائض انصاف وغیرہ، جب اس کا اثر ظاہر سے گذر کر قلب باطن تک محیط ہو جاتا ہے تو اسی کو علم باطن و طریقت سے موسوم کرتے ہیں اور یہاں عبادات و احکام کے بجائے مقامات و احوال کی اصطلاحیں رائج ہیں مثلاً تصدیق، ایمان، اخلاص، صبر، تقوی، توکل، محبت، شوق، وغیرہ خود کلام مجید میں نعمتوں کی ظاہری و باطنی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں،

وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً (لقمان آیت ۲۰)

دنیا میں ہر شئے کا ایک ظاہری پہلو ہے، اور ایک باطنی، قرآن کا ایک ظاہر ہے، ایک باطن، حدیث کا ایک ظاہر ہے ایک باطن، کتاب اللہ و سنت رسول کے اسی باطنی پہلو کا نام طریقت ہے، طریقت کتاب اللہ و سنت رسول سے الگ کوئی شئے نہیں، بلکہ انھیں کے مغز و باطن کا نام ہے،

لفظ تصوف اور صوفی کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں مولفت علماء نے مختلف اقوال نقل کر دیئے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ صوفی دراصل صفوی تھا، یہ لفظ ذرا ثقیل تھا، کثرت استعمال سے زبانوں پر صوفی رہ گیا، ابو الحسن قناد کا خیال تھا کہ صوفی "صفا" سے مشتق ہے اور اس کا اطلاق اہل صفا پر ہوتا ہے، ایک اور بزرگ کا مقولہ ہے، جو لوگ کدورت بشریت سے پاک و صاف کر دیئے گئے، وہ صوفی کہلانے لگے، ایک اور بزرگ کی رائے میں ان لوگوں کا لباس انبیاء علیہم السلام کی تقلید میں صوف (پشمینہ) کا ہوتا تھا، اس لئے یہ صوفیہ کہلانے لگے، ایک اور گروہ اس طرف گیا ہے کہ اصحاب صفہ کے باقیات صالحات صوفی کے لقب سے موسوم ہوئے، وقس علی ہذا، متقدمین کے نزدیک فہم و اتباع احکام قرآنی کے بعد سب سے زیادہ اہم و مقدم شئی اتباع سنت نبوی تھی حضرت جنیدؒ فرماتے تھے کہ ہمارا یہ سارا علم احادیث نبوی کا نچوڑ ہے، قرآن میں اتباع سنت نبوی کا صاف

الفاظ مین حکم آیا ہے، وان تطیعوہ تھتدوا (نور آیت ۵۴) ابو عثمان سعید الحیریؒ کا مقولہ تھا، کہ جو شخص سنت نبوی کو قولاً و فعلاً اپنے اوپر حاکم بنالے اس کی بات ہمیشہ حکمت سے لبریز نکلے گی حضرت بایزید بسطامیؒ نے خدا سے دعا کرنا چاہی، کہ گرسنگی و شہوت کی آفت سے ہمیشہ محفوظ رہین، کہ معاً انہین یہ خیال آگیا کہ جب رسول اللہ صلعم نے اپنے لئے ایسی دعا نہین کی تو مین کیونکر کر سکتا ہون، یہ خیال کرکے وہ اس دعا سے باز رہے، اس احترام مرتبۂ رسالت کا صلہ انھین یہ ملا، کہ عورت کی خواہش بالکل ہی ان کے دل سے جاتی رہی، ذوالنون مصریؒ کا مقولہ تھا کہ خدا کو مین نے خدا ہی کے ذریعہ سے پہچانا اور باقی سب کو رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے، سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے تھے، کہ جس وجد کی شہادت کتاب اللہ و سنتِ رسول صلعم نہ دین وہ باطل ہے، اور اسی کے قریب قریب قول ابو عثمانی دارانی کا ہے حضرت شبلیؒ مرض الموت مین مبتلا تھے، نزع کا وقت تھا، گویائی کی طاقت جواب دے چکی تھی، ایک خادم وضو کرا رہا تھا، ڈاڑھی مین خلال کرانا بھول گیا، شبلیؒ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیکر ڈاڑھی مین خلال کرائی، کہ سنتِ رسولؐ کا کوئی جز و فرو گذاشت نہ ہونے پائے، (صفحہ ۱۳۰ تا صفحہ ۱۵۲)

مسائلِ تصوف تمامتر کتاب اللہ و سنتِ رسول صلعم سے مستنبط ہین، اس استنباط کا طریقہ اور اس کی کیفیت جو حضرت مؤلف نے بیان کی ہے، وہ اِس قابل ہے، کہ یہان اسے حرف بحرف نقل کر دیا جائے،

المستنبطات ما استنبط اھل الفھم من المحققین بالموافقۃ لکتاب اللہ عزوجل ظاھراً و باطناً والمتابعۃ لرسول اللہ صلعم ظاھراً و باطناً والعمل بما نظراھرھم وبواطنھم فلمّا عملوا بما علموا من ذلک ورثھم اللہ تعالیٰ علم مالم یعلموا وھو علم الاشارۃ وعلم مواریث الاعمال التی یکشف اللہ تعالیٰ لقلوب اصفیائہ من المعانی المذخورۃ واللطائف والاسرار المخزونۃ وغرائب العلوم

وطرائف الحکم فی معانی القرآن ومعانی اخبار رسول اللہ صلعم من حیث احوالہم واوقاتہم
وصفاء اذکارہم قال اللہ تعالیٰ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُہَا، وقال النبی صلعم
من عمل بما علم ورثہ اللہ تعالیٰ علم ما لم یعلم وھو الذی لیس لغیرہم ذلک من اہل العلم واقفال
القلوب ما یقع علی القلوب من الصدأ لکثرۃ الذنوب واتباع الھوی ومحبۃ الدنیا وطول
الغفلۃ وشدۃ الحرص وحب الراحۃ وحب الثناء والمحمدۃ وغیرہ ذلک من الغفلات
والزلات والمخالفۃ والجنایات فاذا کشف اللہ تعالیٰ ذلک عن القلوب بصدق التوبۃ
والندم علی الحوبۃ تفتحت الاقفال عن القلوب واتتہ الزوائد والفوائد من الغیوب فیعبّر
عن زوائدہ وفوائدہ بترجمانہ وھو اللسان الذی ینطق بغرائب الحکم وغرائب العلم
فاذا اشرحوا ھذہ النقط المریدون والقاصدون والطالبون من تلک
الجواہر باٰذان واعیۃ وقلوب حاضرۃ فعاشوا واستغنوا بذلک وانتعشوا۔

(ص۱۰۵-۱۰۴)

خلاصہ یہ کہ استنباط کا حق ان محققین وارباب فہم کو پہونچتا ہے جو ظاہر وباطن ہر طرح کتاب
اللہ وسنت رسول صلعم کے متبع ہوتے ہیں۔ یہ لوگ جب کچھ عرصہ تک اپنے علم ومعلومات کے مطابق
عمل کرتے رہتے ہیں، تو خدا انھیں وہ علم بھی دیدیتا ہے، جو پیشتر انھیں نہ تھا، اور یہ علم انھیں کیساتھ
مخصوص رہتا ہے، اور ان کے نفوس میں تزکیہ اور قلوب میں جلا پیدا کرتا ہے، اور کثرتِ معاصی و
شہوات حبِ جاہ، حرص، طمع، خود پسندی وغیرہ سے جو زنگ الواحِ قلب پر جما ہوتا ہے، وہ دُھل جاتا
ہے، اس وقت اسرارِ غیب ان پر منکشف ہوجاتے ہیں، ان کی زبانیں حقائق عالیہ کی ترجمانی کرنے لگتی ہیں

اس کے بعد مصنف قرآن مجید کی اس آیت وَاِذَا جَآءَہُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ
اَذَاعُوْا بِہٖ وَلَوْ رَدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْہُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَہٗ مِنْہُمْ

یہ لطیف استدلال کرتے ہیں، کہ حقائق دین جاننے والے اولی الامر یا اہل علم ہیں اور ان کے طبقہ میں اہل استنباط کو ایک امتیازی خصوصیت حاصل ہے،

اسوۂ رسول صلعم کے بعد حضرات صوفیہ کے نزدیک سب سے مہتم بالشان اسوۂ صحابہؓ ہے، کتاب اللمع کی کتاب الصحابہؓ ان کے اسی اعتقاد کی تفسیر ہے، صحابہؓ کی عام مدح و تکریم کے بعد اس باب کی پہلی فصل کا آغاز حضرت صدیقؓ کی ذات سے ہوتا ہے، جو "اعظم الخوف واعظم الرجا" تھے، یعنی خدا سے ڈرتے بھی بیحد تھے، اور اس کی رحمت کے امیدوار بھی بے حد رہتے تھے، چنانچہ خود فرماتے تھے، کہ اگر آسمان سے یہ ندا آئے کہ :-

لو نادی منادٍ من السماء انہ لن یلج الجنۃ الا رجل واحد لرجوت ان اکون انا ھو ولو نادی منادٍ من السماء انہ لا یدخل النار الا رجل واحد لخفت ان اکون انا ھو، (ص۱۲)

جنت میں بجز ایک شخص کے اور کوئی داخل نہ ہوگا تو مجھے ذات باری سے اس قدر امید ہے کہ میں سمجھوں گا وہ شخص وہ میں ہی ہوں، اسی طرح اگر آسمان سے یہ ندا آئے کہ بجز ایک شخص کے کوئی دوزخ میں نہ ڈالا جائے گا تو میں غضب الٰہی سے اس قدر ڈرتا ہوں کہ وہ شخص بھی اپنے ہی تئیں سمجھوں گا

ابو العباس بن عطاؒ سے جب آیۂ شریفہ کونوا ربانیین کے معنی دریافت کئے گئے، تو انھوں نے کہا، کہ ابوبکر صدیقؓ کے مانند ہو جاؤ، حضرت صدیقؓ ہی وہ شخص تھے جنھوں نے اپنا سارا مال و اسباب لاکر رسول اللہ صلعم کی خدمت مبارک میں حاضر کر دیا، اور جب آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا ؟ برجستہ جواب دیا کہ "خدا اور رسول کو" حضرت مؤلف لکھتے ہیں کہ یہ فقرہ توحید کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا، اور سب سے پہلا صوفیانہ ارشاد تھا، جو انسانی زبان سے ادا ہوا،

حضرت صدیقؓ کی سب سے بڑی خصوصیات، الہام و فراست تھیں، اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کی نمایاں خصوصیات ترک شہوات، اجتناب شبہات، اور تمسک بالحق تھیں حضرت عثمانؓ

سکے اہم خصوصیات تمکین، ثبات، و استقامت یقین، جناب امیر اکثر سلاسل تصوف کے شیخ الشیوخ ہیں، آپ علم لدنی کے سب سے بڑے حصہ دار تھے، یہ وہی علم لدنی ہے، جو خضر علیہ السلام کو عطا ہوا تھا، وعلمناہ من لدنا علما، اور جس کی بنا پر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیمبر سے کہدیا تھا، کہ آپ صبر کے ساتھ میری رفاقت نہ کر سکیں گے، اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا (اور یہیں سے بعض لوگوں نے غلطی سے ولایت کو نبوت سے افضل قرار دیا ہے) جناب امیر مراتب توحید، معرفت، ایمان، علم میں کامل ترین تھے، اور ان اصحاب اربعہ کے آثار قدم صوفیہ کے لئے دلیل راہ ہیں،

خلفائے اربعہ کے بعد قدرۃً اصحاب صفہ کا ذکر آتا ہے، جن کی زندگی کا ایک ایک جزئیہ طالبان طریقت کے لئے درس ہدایت رکھتا ہے، یہ وہ مقدس گروہ تھا جو معاش دنیوی سے قطعاً بے پروا ہو کر شب و روز شمع نبوت کے گرد پروانہ وار نثار ہوا کرتا تھا، جس کے پاس نہ کھانے کا سامان رہتا تھا، نہ پہننے کا، نہ اوڑھنے کا، اور جس کی زندگی تمامتر فقر و فاقہ، توکل و صبر، عشق و محبت کا ایک تسلسل تھی، اس جماعت کی مدح میں متعدد آیات قرآنی نازل ہوئی ہیں، مثلاً للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ، (بقرہ، آیت ۲۷۳) ولا تطرد الذین یدعون ربھم (انعام، آیت ۵۲) اس حصہ کی آخری فصل میں عام صحابہؓ کی زندگی پر متصوفانہ حیثیت سے نظر کی گئی ہے، اور ان کے اقوال و آثار کو صوفیہ کے لئے شمع ہدایت کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، اصحاب ذیل کے اسمائے مبارک اس حیثیت سے خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہیں، طلحہ بن عبید اللہ، معاذ بن جبل، عمران بن حصین، سلمان فارسی، ابو درداء، ابوذر، ابو عبیدہ بن الجراح، عبد اللہ بن مسعود، براء بن مالک، عبد اللہ بن عباس، کعب، حارثہ، حارثہ، ابوہریرہ، انس بن مالک، عبد اللہ بن عمر، حذیفہ بن الیمان، عبد اللہ بن جحش، اسامہ، بلال، مصعب بن عمیر، عبد الرحمن بن عوف، حاکم بن حزام، عبد اللہ بن رواحہ، عدی بن حاتم رضی اللہ عنہم،

[مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر صوفیہ کے آداب و معمولات بیان کر کے ضرورت مرشد پر بہت زور دیا ہے، اور اس ضمن میں بعض بہت گہرے خیالات کا اظہار کیا ہے]

بہت سے مبتدیوں کا یہ خیال ہوتا ہے، کہ مخالفتِ نفس حصولِ مقصد کے لئے کافی ہے چنانچہ وہ اپنی ذاتی رائے سے طرح طرح کے مجاہدات اپنے لئے اختیار کر لیتے ہیں، غذا بہت گھٹا دیتے ہیں لذیذ غذائیں بالکل ترک کر دیتے ہیں، پانی پینا چھوڑ دیتے ہیں، آبادی سے نکل کر صحرا میں رہنے لگتے ہیں وقس علیٰ ہذا، حضرت مؤلف کا ارشاد ہے، کہ جب تک مرشد یا شیخ اس قسم کے احکام نہ دے ان چیزوں کو اختیار کر لینا قطعاً غیر مفید رہے گا، بلکہ مضرت کا اندیشہ ہے، مثلاً ترکِ غذا کا نتیجہ یہ ہو گا کہ انسان فرائض یومیہ، نماز پنجگانہ وغیرہ پوری طرح نہ ادا کر سکے گا، نفس امارہ کو زیر کرنا اتنا آسان نہیں، کہ بغیر استاد کامل کی توجہ کے انسان تن تنہا یہ منزل طے کر سکے، خود رائی کی تمام صورتیں اس راہ میں خطرہ و ہلاکت کیطرف لیجانے والی ہیں، (ص ۱۲۰-۱۲۱)

ان سب اعمال و مجاہدات کے لئے مخصوص آداب و شرائط ہیں، بغیر ان کے قدم اٹھانا سخت نادانی ہے،

[سماع کی بحث گروہِ صوفیہ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، طریقت کے اس استادِ قدیم نے اس پر پوری تفصیل کے ساتھ اظہارِ خیال کیا ہے، اس سلسلہ میں انھوں نے سب سے پہلے حسن صوت کو لیا ہے، اور اس کی مدح و توصیف میں متعدد احادیث نبوی نقل کی ہیں] مثلاً

(۱) ما بعث اللہ نبیا الا حسن الصوت

(۲) زینوا القرآن باصواتکم

(۳) ما اذن اللہ تعالیٰ لشئ کا ذنہ لنبی حسن الصوت،

(۴) لقد اعطی ابی موسیٰ مزمارا من مزامیر آل داؤد نما اعطی من حسن الصوت

اس کے بعد سماع کے مختلف معانی، سماع شعر وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اور قدماء صوفیہ میں جو حضرات سماع کے شیدائیوں میں ہوئے ہیں مثلاً جنید بغدادی، ابوالحسن نوری، حضری وغیرہم ان کے اقوال نقل کئے ہیں، آگے چل کر اباحت سماع عامہ کے عنوانات سے جو باب قائم کیا ہے، اس میں عید کے دن سرورکائنات صلعم کے دف کے ساتھ گانا سننے کا حوالہ دیا ہے، اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت بلالؓ و دیگر صحابہ کرامؓ کے اشعار پڑھنے کا ذکر کیا ہے، حضرت مالک بن انسؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور امام شافعیؒ نے شعر کو ترنم کے ساتھ پڑھنے کو جائز رکھا ہے، اور ان سب کی سند جواز سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، سماع خاصہ کے ضمن میں سامعین کے تین طبقے کئے ہیں، (۱) مبتدئین و مریدین (۲) متوسطین و صدیقین، (۳) عارفین و اہل استقامت، اس کے بعد محقق مولف نے مسئلہ سماع کے مختلف پہلوؤں کو لیا ہے، اور متعدد ابواب میں ہر پہلو پر تفصیلی نظر کی ہے، جواز کے جو آداب و شرائط وقیود ہیں، ان سے کسی حال میں اغماض نہیں برتا ہے، آخری باب میں ان حضرات کے خیالات کی ترجمانی کی ہے، جو جواز سماع کے منکر ہیں یا اس کی کراہت کے قائل ہیں، ان چند ابواب کا مطالعہ موجودہ مشائخ کے لئے خاص طور پر سبق آموز ہو سکتا ہے،

ان اقتباسات و تصریحات سے نوعیت کتاب کا اندازہ ہو گیا ہوگا، اور متاخرین کی کتب ملفوظات و مناقب سے اس کا مقابلہ کرنے سے صاف نظر آ جائیگا، کہ قدیم اسلامی تصوف اور موجودہ صوفیت میں کسی قدر عظیم الشان فرق ہے،

باب (۲)

کشف المحجوب

(شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ)

عربی مین تصوف کی قدیم ترین معلوم کتاب کا نام کتاب اللمع ہے جس سے ہم پچھلی صحبت مین روشناس ہو چکے، فارسی مین تصوف کی قدیم ترین موجود کشف المحجوب ہے، کتاب اللمع آج سے چند سال قبل دنیا کے لئے معدوم تھی، اور اب بھی مشرق کے لئے اس کا عدم، اس کے وجود سے کچھ ہی بہتر ہے، خوش قسمتی سے کشف المحجوب اس حجابِ گمنامی مین نہین، داتا گنج بخش لاہوریؒ کا نام اکثرون کی زبان پر ہے، صوبۂ پنجاب کے بکثرت گھرانے ان کی عقیدت کے مسکن ہین، لاہور مین مدت ہوئی اصل فارسی نسخہ طبع ہو چکا ہے، اور ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، چند سال ہوئے سینٹ پیٹرس برگ یونیورسٹی (روس) کے پروفیسر ژوکوفسکی کے زیر اہتمام اصل کتاب کے یورپ مین چھپنے کی اطلاع آئی تھی، یہ سب کچھ ہے، تاہم استفادہ کرنے والون کا حلقہ اب بھی محدود ہے، اور تصنیف و مصنف دونون سے تعارف کرانے کی ضرورت باقی ہے،

---

(۱) مصنف

مصنف علیہ الرحمہ کا پورا اسم گرامی ابو الحسن علی بن عثمان بن علی الغزنوی الجلابی الہجویری لاہوری ہے۔ ہندوستان میں عرف عام داتا گنج بخش مشہور ہے، وطن غزنین تھا، مضافات غزنین میں ہجویر و جلاب دو قریے ہیں، دونوں میں قیام رہا، آخر عمر میں لاہور میں سکونت اختیار فرمائی تھی، یہیں انتقال کیا، اور یہیں مدفون ہوئے۔ اس ساری نقل و حرکت کے اظہار کے لئے نام کے ساتھ، "غزنوی جلابی ہجویری لاہوری" کا ضمیمہ لگا ہوا ہے،

سید حسنی تھے، شجرۂ نسب بعض تذکروں میں یوں دیا ہے "علی بن سید عثمان بن سید علی بن عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابو الحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید شہید بن امام حسن بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ"،

بیعت شیخ ابو الفضل بن حسن ختلی سے تھی جو شیخ ابو الحسن حصری کے مرید تھے، شجرۂ طریقت سید الطائفہ جنید بغدادی تک پہونچتا ہے، متعدد دیگر مشائخ کبار سے بھی استفادہ کیا تھا، کشف المحجوب میں جابجا ان حضرات کا ذکر کرتے ہیں، اور اپنے ان کے تعلقات پر روشنی بھی ڈالتے جاتے ہیں، مثلاً امام ابو العباس احمد شقانی کے تذکرہ میں کہتے ہیں،

"مرا با وے انسے عظیم بود، و وے را بر من شفقتِ صادق، و اندر بعضے علوم استادِ من بود"

(کشف المحجوب، مطبوعہ لاہور، صفحہ ۱۲۲)

شیخ ابو القاسم گرگانی اور اپنے تعلقات کے تذکرہ میں ایک دلچسپ واقعہ تحریر فرماتے ہیں:

"روزے من اندر پیش شیخ نشستہ بودم، و احوال و نمود ہائے خود را بر می شمردم و بہ حکم آنکہ روزگار خود بر وے عرضہ (۹) کنم، کہ ناقدِ وقت است، و وے بہ کراہتے آن از من می شنید،

---

[۱] فارسی مطبوعہ نسخہ اغلاط سے اس قدر لبریز ہے کہ بعض مقامات پر مطلب خبط ہو گیا ہے، جو الفاظ راقم سطور کی دانست میں صحیح ہیں (بقیہ صفحہ مابعد پر)

و مرا نخوت کودکی و آتش جوانی بر گفتار آن حریص می کرد و خاطرے صورت می بست کہ گر این پیر را در ابتدا اندرین کوے گذرے نبودہ است کہ چندین خضوع میکند، اندر حق من و نیازمی نماید اندر باطن من، آن بدید و گفت اے دوست پدر (؟) بدانکہ این خضوع من نہ تر او یا حال تر است کہ محول احوال بر محل محال آید (؟)، بلکہ این خضوع من محول احوال را می کنم و این عام باشد مر ہمہ طلاب را نہ خاص ترا، چون این بشنیدم، از دست بیفتادم، و وے اندر من بدید و گفت اے پسر آدمی را بدین طریقت نسبت بیش ازان نبود کہ چون ویرا بہ طریقت، باز بندند، پندار یافت آن بگردانند ش، چون از آن معزول کنندش بہ عبارت پندارش برسد، پس نفی و اثبات، فقد و وجود وے ہر دو پندار باشد و آدمی ہرگز از بند پندار نرہد، وے را باید کہ درگاہ بندگی گیرد، و جملہ نسبتہا از خود دفع کند، بجز نسبت مردمی و فرمان برداری، و از بعد آن مرا با وے اسرار بسیار بود، اگر بہ اظہار آیات وے مشغول گردم از مقصود باز مانم

(ایضاً، صفحہ ۱۲۲)

ایک جگہ خواجہ ابو احمد مظفر سے اپنی ملاقات کا حال لکھا ہے، وہ بھی ارباب ذوق کے لئے اسی قدر دلچسپ ہے:-

"روزے من اندر گرمابہ گرم نہ نزدیک وے اندر آمدم با جامہ را دوزد لیدہ موے مرا گفت یا ابا الحسن ارادت حالی مرا بگوئے تا چیست گفتم مرا سماع می باید، اندر حال کسے فرستاد، تا قوالی بیاوردند و جماعتے را از اہل عشرت، و آتش کودکی و قوت ارادت و حرکت ابتدا مرا اندر سماع کلمات مضطرب کرد چون زمانہ بر آمد، و سلطان و غلیان آن آفت اندر من کمتر شد مرا گفت چگونہ بود،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) سمجھ میں پوری طور پر نہیں آسکے، انھیں بعینہ نقل کرکے اور انھیں زیر خط کرکے آگے قوسین میں علامت استفہام بنا دی گئی ہے اس طرح (؟) جہاں کہیں فقرہ کا فقرہ نہیں چل سکا ہے وہاں پورے فقرہ کو زیر خط کرکے اس کے آگے اسی قسم کی علامت بنا دی ہے۔

مرترا باین سماع گفتم ایہا الشیخ سخت خوش بودم گفت دستے بباید کہ این و بانگ کلاغ ہر دو مرترا یکسان شود، قوت سماع تا آنگاہ بود کہ مشاہدہ نہ باشد، چون مشاہدہ حاصل آید ولایت سمع ناچیز شود، ذکر (؟) تا این را عادت نکنی تا طبیعت نشود و باز بدان باقی" (الیضاً)

اسی طرح سلطان ابوسعید ابوالخیر، شیخ ابوالقاسم قشیری، وغیرہ دیگر مشاہیر صوفیہ سے اپنی ملاقات کے تذکرے لکھے ہیں،

حنفی المذہب تھے، امام ابوحنیفہؒ سے خاص عقیدت تھی، ان کا نام، "امام اماماں و مقتدائے سنیاں و شرف فقہاء و عز علماء" کی حیثیت سے لیا ہے، اور ان کے کمالات کا بیان تفصیل سے کیا ہے (کشف) اس ضمن میں اپنا ایک خواب بھی تحریر فرماتے ہیں جس کا اقتباس لطف اور نفع سے خالی نہ ہوگا، فرماتے ہیں کہ:

"میں ملک شام میں تھا، ایک مرتبہ حضرت بلالؓ مؤذن کے مزار کے سرہانے سو گیا، خواب میں دیکھتا ہوں، کہ مکہ میں حاضر ہوں، اور پیغمبر خدا صلعم باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہیں، اور جس طرح کوئی کسی بچہ کو گود میں لئے ہو، ایک سن شخص کو گود میں لئے ہوئے ہیں، میں دوڑتا ہوا حضور میں پہونچا، پائے اقدس کو بوسہ دیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ مرد مسن کون ہیں، حضور صلعم کو میرے خطرہ قلب پر اطلاع ہو گئی، ارشاد ہوا کہ یہ شخص تیرا اور تیری قوم کا امام ہے، یعنی ابوحنیفہؒ اس خواب سے مجھے اپنے اور اپنی قوم کے حق میں بہت کچھ امیدیں ہو گئیں، اور اس خواب سے مجھ پر یہ بھی منکشف ہو گیا کہ امام ابوحنیفہ ان لوگوں میں ہیں جو اپنے صفات ذاتی سے فانی ہو چکے ہیں، اور محض احکام شرع کے لئے باقی ہیں، اس لئے کہ ان کے حامل رسول خدا صلعم تھے، اگر میں انھیں خود چلتے ہوئے دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ وہ باقی الصفت ہیں، اور باقی الصفت کے لئے خطا و صواب دونوں کا امکان ہے، لیکن چونکہ انھیں حضرت رسول خدا صلعم کی گود میں دیکھا اس سے معلوم ہوا کہ ان کا وجود

ذاتی فنا ہو چکا ہے، اور اب جو ان کا وجود قائم ہے، وہ رسول خدا صلعم کے وجود سے قائم ہے، اور چونکہ خود رسول خدا صلعم کے لئے کسی طرح کی خطا کا امکان نہیں اس لئے جس کا وجود ان میں فانی ہو چکا ہے، وہ بھی امکانِ خطا سے پاک ہے،" (ایضاً ص۲۹۱)

سفر و سیاحت میں اکثر رہا کرتے تھے۔ شام سے لیکر ترکستان اور ساحلِ سندھ سے لیکر بحر قزوین تک یعنی اپنے زمانہ کی تقریباً ساری اسلامی عملداری کی سیاحی کا ذکر کیا ہے۔ آذربائیجان، بسطام، دمشق، رملہ، بیت الجن، طوس، سنہ، اور جبل السلام کے نام اپنے سفرناموں کے ذیل میں تصریح کے ساتھ لئے ہیں، ایک مرتبہ دورانِ قیام عراق میں معلوم ہوتا ہے، کہ دولت بہت جمع ہو گئی تھی اور اسراف سے قرضداری کی نوبت آگئی تھی، فرماتے ہیں:۔

"وقتے من اندر دیار عراق اندر طلب دنیا و فنا کردن کردن آن تا باکے میکردم (؟) بود ام بسیار برآمده بود وحشو به هر کسے را که بایستے بودے (؟) روئے به من آورده بودند، ومن در رنج حصول برائے شان مانده بودم" (ایضاً ص۲۲)

عرصہ تک پریشانی رہی، بالآخر ایک درویش کی موعظت کے اثر سے فراغت نصیب ہوئی،

قید ازدواج سے ہمیشہ آزادی رہی، البتہ ایک مقام پر آپ بیتی یوں بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ایک مرتبہ کسی کے خدنگِ نظر سے بسمل ہو گئے تھے، اور ایک سال تک اس زخم کی تڑپ نے بیتاب رکھا لیکن بالآخر فضلِ ایزدی نے زخم کا مرہم بھی پیدا کر دیا، عبارت اس قدر مبہم ہے کہ تفصیلات کا پتہ بالکل نہیں چلتا،

"من که علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکه مرا حق تعالیٰ یازده سال از آفتِ تزویج نگاه داشته بود، ہم تقدیر کرد تا بفتنہ اندر افتادم وظاہر و باطنم اسیر صفتے باشد که با من کردند (؟) بے آنکہ

رویت بوده، و یکسال مستغرق آن بودم، چنانچہ نزدیک بود کہ دین بر سر آن شود تا حق تعالیٰ بکمال لطف و تمام فضل خود عصمت را بہ استقبال دل بیچارہ من فرستاد، و بہ رحمت خلاصی ارزانی داشت۔ (صفحہ ۳۴)

استعداد علمی کی تفصیل کسی تذکرہ میں درج نہیں لیکن کشف المحجوب کی تصنیف خود اس امر کا واضح ثبوت ہے، کہ اس کا مصنف علوم ظاہری پر وسیع نظر رکھتا ہے، بعض تذکروں میں اجمالاً صرف اس قدر ہے "جامع بود بیان علوم ظاہر و باطن" اور یہ یقیناً صحیح ہے،

بعض تذکروں میں ہے کہ لاہور اپنے پیر مرشد کے حکم سے آئے اور حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؔ کے ایک ملفوظ میں ورود لاہور کی تفصیل بھی ملتی ہے، فوائد الفواد میں ہے کہ علی ہجویریؒ اور شیخ حسین زنجانیؒ دونوں ایک ہی مرشد سے بیعت رکھتے تھے، شیخ حسن زنجانی عرصہ سے لاہور میں سکونت رکھتے تھے، ایک روز شیخ علی ہجویری کو مرشد کا حکم ملا کہ لاہور میں سکونت اختیار کرو، عرض کیا کہ وہاں تو شیخ حسین پیشتر سے موجود ہیں، مکرر ارشاد ہوا کہ تم جاؤ، تعمیل کی شب میں لاہور پہونچے، اسی شب میں شیخ حسین نے انتقال فرمایا، اور صبح ان کا جنازہ اٹھایا گیا[1]، ان روایات سے معلوم ہوتا ہے، کہ لاہور کو مرشد کے حکم سے اپنا مسکن بنایا تھا، لیکن خود کشف المحجوب کی عبارت سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہے کہ لاہور کا قیام مرضی کے خلاف کسی مجبوری سے تھا، فرماتے ہیں کہ:-

"کتب من بہ حضرت غزنین ماندہ بود، و من اندر دیار ہند از بلدۂ لاہور کہ از مضافات ملتان ست درمیان ناجنسان گرفتار شدہ بودم" (صفحہ ۶۵)	میری کتابیں غزنین میں چھوٹ گئی ہیں، اور میں ہندوستان میں شہر لاہور میں ناجنسوں کے درمیان گرفتار ہوں۔

اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ "گرفتاری" کا لفظ فقرۂ بالا میں مجازاً استعمال کیا ہے، یا حقیقۃً،

[1] فوائد الفواد، مرتبہ امیر حسن علاء سنجری، صفحہ ۳۹ (مطبوعہ نولکشور)

عام لقب جو گنج بخش مشہور ہے، اس کی بابت یہ روایت ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے آپ کے مزار پر آکر چلہ کیا، اور اکتسابِ فیوض و برکات کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو مزار کے رخ کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا ؎

گنج بخش ہر دو عالم مظہرِ نورِ خدا ‏ ‏ ‏ کاملان را پیرِ کامل ناقصان را رہنما

اسی وقت سے گنج بخش کا لفظ عام زبانوں پر چڑھ گیا۔[۱]

سنہ وفات کے متعلق اختلاف ہے۔ صاحب نفحات الانس خاموش ہیں، صاحب سفینۃ الاولیا نے دو روایتیں دی ہیں، ایک ۴۶۴ھ اور دوسری ۴۶۵ھ کی[۲] بابت آزاد بلگرامی نے ایک ضمنی موقع پر ۴۵۶ھ درج کیا ہے۔[۳] نکلسن کا قیاس ہے کہ ۴۶۵ھ و ۴۶۹ھ کے درمیان وفات ہوئی۔[۴] مزار پر جو قطعہ تاریخ کندہ ہے، اس سے بھی ۴۶۵ھ نکلتا ہے، راقم سطور کے نزدیک اسی کو ترجیح ہے۔ مزار شہر لاہور کے باہر سمت غرب میں واقع ہے، ہر جمعرات و جمعہ کو زائرون اور حاجتمندوں کا ہجوم رہتا ہے، عام عقیدہ یہ ہے کہ چالیس روز متصل یا چالیس شبہائے جمعہ کو طوافِ مزار کرنے سے ہر مشکل آسان اور ہر حاجت روا ہو جاتی ہے۔[۵]

اس قدر یقینی ہے کہ تصوف پر متعدد کتابیں تصنیف کیں، لیکن آج ان تصانیف کا وجود تو الگ رہا ان کے نام تک کسی تذکرہ میں محفوظ نہیں، صاحب سفینۃ الاولیا اس سے زائد نہ لکھ سکے کہ "حضرت پیر علی ہجویری را تصانیف بسیار است" البتہ خود کشف المحجوب میں مصنف نے جا بجا اپنی دوسری تصانیف کے حوالے دیے ہیں، ان عبارتوں کے یکجا کرنے سے تصانیف

---

۱ خزینۃ الاصفیا (غلام سرور لاہوری) جلد دوم ص۲۳۳۔ ۲ سفینۃ الاولیا ص۱۶۴۔ ۳ مآثر الکرام (نسخہ شائع کردہ عبداللہ خان حیدرآباد دکن)

۴ مقدمہ ترجمہ انگریزی کشف المحجوب۔ ۵ سفینۃ الاولیا ص۱۶۵۔

ذیل کا پتہ چلتا ہے، ممکن ہے کہ ان کے علاوہ کچھ اور بھی ہوں، اس قدر تو بہرحال قطعی یقینی،

	نام کتاب	عبارت کشف المحجوب
۱	" دیوان "	یکے آنکہ دیوان شعرم کسے بخواست، (ص ۱)
۲	" منہاج الدین "	دیگر کتابے تالیف کردم اندر طریق تصوف نام آن منہاج الدین (ص [illegible]) نیز پیش ازین کتابے ساختہ ام مر آن را منہاج الدین نام کردہ اندر وے مناقب اہل صفہ یک یک بتفصیل آوردہ ... اندر کتابے کہ کردہ ام بجز این منہاج نام (ص [illegible])
۳	" کتاب الفناء والبقاء "	از این جنس سخن سخت لطیف کتابے فنا و بقا، (ص [illegible])
۴	" اسرار الخرق والمؤنات "	مرا اندرین باب کتابے است مفرد کہ نام آن اسرار الخرق والمؤنات ست " (ص [illegible])
۵	" کتاب البیان لاہل العیان "	" من اندرین معنی تا حال ہدایت کتابے ساختم و آن را کتاب البیان لاہل العیان نام کردہ شد " (ص [illegible])
۶	" بحر القلوب "	" اندر بحر القلوب اندر باب جمع فصولے گفتہ ام " (ص [illegible])
۷	" الرعایۃ لحقوق اللہ "	" طالب این علم را این مسئلہ از کتاب دیگر باید طلبید کہ کردہ ام و آن را الرعایۃ لحقوق اللہ نام کردہ " (ص [illegible])

ذیل کی عبارتوں میں دو کتابوں کے حوالے اور آتے ہیں، خدا معلوم ان سے مراد کتب بالا ہی ہیں یا یہ تصانیف ان کے علاوہ ہیں، نکلسن کا خیال ہے کہ یہ علیحدہ تصانیف ہیں، اس حساب سے دو کتابوں کا اور اضافہ سمجھنا چاہیے،

" پیش ازین اندر شرح کلام وے (منصور حلاج) کتابے ساختہ ام " (ص [illegible])

۹ سن اندر بیان این (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ (ص ۱۴)

آج یہ سب کتابیں مفقود ہیں۔

مخدوم موصوف علیہ الرحمہ کے مرتبۂ کمال کا اعتراف سب کو رہا ہے، خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ اور شیخ المشائخ حضرت بابا فرید گنج شکر جیسے مسلّم اکابر نے آپ کے مزار کی چلہ کشیاں کی ہیں، اور فیوض و برکات حاصل کئے ہیں، چنانچہ دونوں حضرات کے مکانات چلہ کشی اب تک موجود و محفوظ ہیں۔ ملا جامیؒ ان الفاظ میں تصنیف و مصنف کی جلالت قدر کا اعتراف کرتے ہیں:۔

"عالم و عارف بود .... وصحبت بسیارے از مشائخ دیگر رسیدہ است صاحب کتاب کشف المحجوب است، کہ از کتب معتبرہ مشہورہ درین فن است ولطائف وحقائق بسیار در آن کتاب جمع کردہ است[1]"۔

شاہزادہ دارا شکوہ کے نزدیک فارسی زبان میں تصوف پر کوئی کتاب کشف المحجوب کے ٹکر کی نہیں:۔

"خانوادۂ ایشان خانوادۂ زہد و تقویٰ بودہ، حضرت پیر علی ہجویری را تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف است وہیچکس را بران سخن نیست و مرشدے است کامل، در کتب تصوف بہ خوبی آن در زبان فارسی تصنیف نہ شدہ وخوارق و کرامات زیادہ از حد و نہایت دیارہا بر قدم تجرید و توکل سفر کردہ اند[2]"۔

سب سے بڑھکر قابل استناد و قابل افتخار قول حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کا ہے آپ کا ارشاد تھا، کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو، اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائیگا

[1] نفحات الانس، جامی، ص ۳۳۵ (مطبوعہ کلکتہ) [2] سفینۃ الاولیاء، دارا شکوہ، ص ۱۶۴۔

آپ کے ایک غیر مطبوع ملفوظ دُرر نظامی میں ہے،

" وی فرمودند کشف المحجوب از تصنیف شیخ علی ہجویری است، قدس اللہ روحہ العزیز، اگر کسے را پیرے نہ باشد، چون این کتاب را مطالعہ کند او را (؟) پیدا شود...... من این کتاب بہ تمام مطالعہ کردہ ام"

مخدوم موصوف کی اس کرامت کا ذکر متعدد تذکروں میں ہے، کہ لاہور میں آپ نے جو مسجد تعمیر کرائی تھی، اس کی محراب میں بمقابلہ دوسری مساجد کے سمت جنوب میں ذرا کجی تھی، علماء وقت نے اعتراض کیا کہ سمت قبلہ قائم نہیں رہی، آپ نے ایک روز سب کو جمع کر کے خود نماز پڑھائی، اس کے بعد حاضرین سے کہا کہ خود دیکھ لو کعبہ کدھر ہے، حجابات اٹھ گئے، سب نے دیکھا کہ بیت اللہ مسجد کے ٹھیک مقابل ہے۔

(۲) تصنیف

کشف المحجوب تصوف کی قدیم ترین کتابوں میں ہے، اور فارسی زبان میں تو اس سے قدیم تر کسی کتاب تصوف کا راقم سطور کو علم نہیں، مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس میں اپنی متعدد ابتدائی کتابوں اور اپنی سکونتِ لاہور کا ذکر کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس کتاب کی تصنیف آخر عمر میں فرمائی ہے، یعنی پانچویں صدی ہجری کے وسط میں، اس کتاب کے تقریباً ہم عمر امام ابوالقاسم قشیریؒ کا عربی رسالہ قشیریہ ہے، موضوع اس کا بھی تصوف ہی ہے، لیکن دونوں کے طرز تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال وحکایات کے نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے، برخلاف اس کے مخدوم ہجویری ایک محققانہ ومجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات، واردات، مکاشفات ومجاہدات وغیرہ کو بھی قلمبند کرتے جاتے ہیں اور

[1] دُرر نظامی مرتبہ شیخ علی محمود جاندار، نسخۂ قلمی مملوکہ سید علیم اللہ بن خادم درگاہ حضرت سلطان المشائخ دہلی،

مباحثِ سلوک پر رد و قدح کرنے مین بھی تامل نہین کرتے ان کی کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعۂ حکایات و روایات کی نہین بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے،

صورتِ تصنیف یہ ہے، کہ کوئی صاحب ابوسعید نامی فرضی یا واقعی سائل ہین، انھون نے حضرت مخدوم کی خدمت مین عرض کی ہے، کہ :-

" بیان کن مرا اندر تحقیق طریقت تصوف و کیفیت مقامات ایشان و بیان مذاہب و مقالاتِ آن اظہار کن مرا رموز و اشارات ایشان و چگونگی محبت خدائے عز و جل و کیفیت اظہار آن بر دلہا و سبب حجاب عقول از کنہ ماہیت آن و نفرت نفس از حقیقت آن و آرام روح با صفوت آن و آنچہ بدین تعلق دارد از معاملت آن " (ص)

ساری کتاب اسی سوال کے جواب، اور انھین کے مراتب کی تفصیل مین ہے،

مضامین و تصانیف کے سرقہ مین معلوم ہوتا ہے، اس وقت کے لوگ بہت جری و بیباک تھے مصنف کو دو باران لوگون کے ہاتھون تلخ تجربات اٹھانے پڑے، ایک مرتبہ کسی صاحب نے مسودۂ دیوان مصنف سے مستعار لیا اور واپس کرنے کے بجائے اپنے نام و تخلص کے ساتھ اس کی اشاعت شروع کر دی، دوسری بار یہ اتفاق ہوا کہ ان کی ایک تصنیف فن سلوک مین منہاج الدین کے نام سے تھی، اسے کوئی شخص اڑا لے گیا، ان کا نام کاٹ کر عنوان پر اپنا نام لکھ دیا، اور اس کی تصنیف کو اپنی جانب منسوب کرنا شروع کر دیا، کشف المحجوب کی تصنیف ان تصنیفات کے بعد کی ہے، اس کے آغاز مین اسم مصنف کی تصریح ضروری تھی، ان حالات کا ذکر ابتدائے سخن مین خود ہی فرمایا ہے،

" آنچہ اندر ابتدائے کتاب نام خود ثبت کردم مراد اندر آن دو چیز بود یکے نصیب خاص و دیگر نصیب عام، و آنچہ نصیب عام بود آن است کہ چون جاہل این علم کتابے بینند نو کہ مصنف

آن بعینہ جاے ثبت نہ باشد نسبت آن کتاب بخود کنند و مقصود مصنف از آن بر نیاید کہ مراد از جمع و تالیف و تصنیف کردن بجز آن نہ باشد کہ نام مصنف بدان کتاب زندہ باشد و خوانندگان و متعلمان وے را دعاے نیکو کنند، کہ مرا ازین حادثہ افتاد دو بار، یکے آنکہ دیوان شعرم کسے بخواست و باز گرفت و اصل نسخہ جز آن نبود آن جملہ را بگردانید و نام من از سر آن بیفگند و رنج من ضایع گردانید تاب اللہ علیہ و دیگر کتابے تالیف کردم اندر طریق تصوف عمرہ اللہ نام آن منہاج الدین یکے از مدعیان رکیک کہ کرامی گفتار نام او نگفتند نام من از سر آن پاک کرد و در پیش عوام چنان نمود کہ آن وے کردہ است، ہرچند خواص بر آن قول وے خندیدندے تا خداوند تعالیٰ بے برکتی آن بدو رسانید، نامش از دیوان طالبان درگاہ خود پاک گردانید (ص۲)

اس سرقہ سے اس قدر خائف تھے، کہ اسی ایک تصریح پر اکتفا نہیں کی ہے بلکہ درمیان کتاب میں بار بار اپنے پورے نام کی تصریح فرماتے گئے ہیں،

لاہور کا جو مطبوعہ نسخہ پیش نظر ہے، اس کا ہر صفحہ اغلاط طبع و کتابت سے لبریز ہے بعض مقامات پر عبارت بے معنی ہوگئی ہے بعض مقامات پر حضرت مصنف کے بالکل خلاف منشا معنی نکلتے ہیں، اور اس سے بڑھکر ستم یہ ہے، کہ اکثر مقامات پر اشخاص و مقامات کے نام بالکل مسخ ہوگئے ہیں جن کی تصحیح کی کوئی صورت نہیں، دوسرا تکلیف دہ امر اس نسخہ میں یہ ہے، کہ کسی قسم کی فہرست مضامین وغیرہ درج نہیں، کتاب متعدد ابواب و فصول میں منقسم ہے، ہر باب و فصل کے الگ الگ پیراگراف (بند) ہیں، لیکن کاتب صاحب نے بسم اللہ سے لیکر تا سے تمت تک ۲۰۳ صفحہ کی کتاب کا یکسان قلم رکھا ہے، نہ کہیں کوئی پیراگراف (بند) توڑا ہے، نہ ایک باب و فصل کے اختتام اور دوسرے کے آغاز کو کوئی نمایان امتیاز دیا ہے، راقم سطور نے بطور خود ایک فہرست مضامین اور بعض دوسری فہرستین مرتب

کی ہیں جن کی مدد سے ناظرین کے ہمراہ کتاب پر ایک سرسری نظر کرتا ہے،

شروع کے چھ صفحہ (ص۲) بطور مقدمہ یا تمہید کے ہیں، جس میں سبب تالیف موضوع سخن وغیرہ کی تصریح کی ہے، اس کے بعد ترتیب مضامین حسب ذیل ہے،

(۱) باب اول فی اثبات العلم (ص۲) اس میں علم کی ماہیت اس کے فضائل اور اس کے اقسام کا بیان ہے، مشہور صوفی حاتم اصم کا قول نقل کیا ہے، کہ:-

حاتم الاصم گفت رضی اللہ عنہ کہ چہار علم اختیار کردم واز ہمہ علمہائے عالم برستم ...... یکے آنکہ بدانستم کہ مرا رزقے است مقسوم کہ زیادت وکم نشود از طلب زیادت بر آسودم، ودیگر آنکہ بدانستم کہ خدائے را بر من حقیست کہ جز من کسے دیگر نتواند گزارد و بہ ادائے آن مشغول گشتم ودیگر آنکہ دانستم کہ مرا طالبے ست یعنی مرگ کہ ازو نتوانم گریخت آن را بشناختم (۴) وچہارم آنکہ دانستم کہ مرا خداوندے ست مطلع بر من ازوے شرم داشتم و از ناکردنی دست باز داشتم۔ (ص۱)

(تمام علوم عالم میں سے میں نے چار چیزوں کا علم حاصل کرلیا، دباقی علوم سے بے نیاز ہوگیا .... اول یہ کہ رزق کی ایک مقدار مقسوم ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی، اس لئے اس میں اضافہ کی طلبگاری سے نجات پاگیا ہوں، دوسرے یہ کہ خدا کی جانب سے میرے اوپر جو حقوق عائد ہیں، ان کی بجاآوری میرے ہی ذمہ فرض ہے، اس لئے ان کی ادائگی میں مشغول رہتا ہوں، تیسرے یہ کہ میرے تعاقب میں موت لگی ہوئی ہے جس سے کسی طرح گریز ممکن نہیں، اس لئے اس سے ملنے کی تیاری کرتا رہتا ہوں، چوتھے یہ علم ہے کہ خدا میرے حال کو دیکھتا رہتا ہے اس سے شرم کرتا رہتا ہوں، اور ممنوعات سے بچتا رہتا ہوں)

العلم صحیح کے لئے علم ظاہر (شریعت) وعلم باطن (حقیقت) کی جامعیت ضروری ہے، صرف ایک کا

وجود طالب کے لئے مضر ہوگا۔

ظاہر ورزش معاملت و باطنش تصحیح نیت، و قیام ہر یک ازین بے دیگرے محال باشد ظاہر بے حقیقت باطن نفاق بود و باطن بے ظاہر زندقہ و ظاہر شریعت بے باطن نقص بود و باطن بے ظاہر ہوس پس علم حقیقت را سہ رکن است یکے علم بذات خداوند تعالیٰ و وحدانیت وی و نفی تشبیہ از وے، دو دیگر علم بہ صفات خداوند تعالیٰ و احکام آن و سہ دیگر علم بہ افعال و حکمت وے و علم شریعت را نیز سہ رکن است، یکے کتاب، دیگر سنت و سہ دیگر اجماع امت،، ص۱

ظاہر بغیر امتزاج باطن کے نفاق ہوا و باطن بغیر امتزاج ظاہر کے زندقہ شریعت بلا حقیقت نقص، و حقیقت بلا شریعت ہوس۔ علم حقیقت کے تین ارکان ہیں، علم ذات و توحید و نفی تشبیہ خداوندی، علم صفات و احکام خداوندی، اور علم افعال و حکمت افعال خداوندی، علم شریعت کے بھی یہ تین رکن ہیں، قرآن، سنت رسول و اجماع امت۔

علم ذات خداوندی کی تعلیم اس قسم کی آیات قرآنی میں بہ کثرت ملتی ہے، فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ، واعلموا ان اللہ ھو مولٰکم، الم تر الی ربک کیف مد الظل، افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت، لیس کمثلہ شیٔ وھو السمیع البصیر، نیز اس قسم کی احادیث نبوی میں کہ من علم ان اللہ ربہ وانی نبیہ حرم اللہ تعالیٰ لحمہ و دمہ علی النار،

علم صفات خداوندی کی جانب رہبری اس قسم کی آیات قرآنی کرتی ہیں، انہ علیم بذات الصدور، واللہ علیٰ کل شیٔ قدیر، وھو السمیع البصیر، فعال لما یرید

ھو الحی لا الٰہ الا ھو، وقس علیٰ ھذا

علم افعال خداوندی کے بابت اس قسم کی آیات قرآنی میں اشارہ ہے: "واللہ خلقکم وما تعملون، اللہ خالق کل شیء وقس علیٰ ھذا"

علم شریعت کے رکن اول، کتاب اللہ سے اعتصام کی دلیل یہ ارشاد حق تعالیٰ ہے: "فیہ آیاتٌ محکماتٌ ھنّ ام الکتاب"، رکن دوم سنت نبویؐ کی شاہد عادل یہ فرمان ربانی ہے: "وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا"، رکن سوم اجماعِ امت کی دستاویز استناد یہ ارشادِ حضرت رسالتؐ ہے: "لا یجتمع امتی علی الضلالۃ علیکم بالسواد الاعظم"

علم (بشمولِ علم شریعت) کی اہمیت پر جتنا زور دیا ہے، اس کا مزید اندازہ اقتباسِ ذیل سے ہوگا:

محمد بن فضل البلخی گوید رحمۃ اللہ علیہ العلوم ثلثۃ علم من اللہ وعلم مع اللہ وعلم باللہ، علم باللہ علم معرفت بود کہ ہمہ انبیاء و اولیاء بدو دانستہ اند و تا تعریف و تعرف وے نبود ایشان ویرا ندانستند، علم من اللہ علم شریعت بود کہ آن ازوے با فرمان و تکلیف است و علم مع اللہ علم مقامات و طریق حق و بیان درجات اولیاء است پس معرفت بے پذیرفتن

(محمد بن فضل بلخیؒ کہتے ہیں کہ علم کی تین قسمیں ہیں، علم من اللہ، علم مع اللہ، علم باللہ، علم باللہ علم معرفت ہے، کہ انبیاء و اولیاء نے اسی ذریعہ سے معرفت باری حاصل کی ہے، اور بغیر اس کے انہیں معرفت حاصل نہ ہو سکتی، (یہ علم اکتساب سے نہیں آتا) علم من اللہ علم شریعت ہے یعنی احکام الٰہی و فرائض عبدیت کا علم، علم مع اللہ علم مقامات طریقت و درجات اولیاء کا نام ہے، معرفت بغیر علم شریعت کے قبول کے درست نہیں ہو سکتی، اور شریعت پر عمل بغیر مقامات کے

شریعت درست نیاید و ورزش شریعت بے اظہار مقامات راست نیاید............ ہر کرا علم معرفت نیست دلش بجہل مردہ است وہر کرا علم شریعت نیست دلش بنادانی بیمار است، (ص۱۲)

کہ ممکن نہیں جس کو علم شریعت نہیں اس کے قلب پر جہل کی موت طاری ہے، اور جسے علم شریعت نہیں اس کا قلب مرض نادانی میں گرفتار ہے۔

اسی تعلیم کی تائید میں بایزید بسطامیؒ کا قول ہے، کہ میں نے تیس سال تک مجاہدات کئے لیکن کسی مجاہدہ کو علم وتحصیلِ علم سے صعب تر نہیں پایا، (علمت فی المجاھدۃ ثلثین سنۃ فما وجدت شیئا اشد علی من العلم ومتابعتہ)

اور خود مرشد ہجویریؒ کا بیان ہے، کہ طبع انسانی کے لئے آگ پر چلنا راہ علم پر چلنے سے آسان تر ہے، اور ایک جاہل کے لئے پل صراط پر ہزار بار گذرنا اس سے آسان ہے کہ علم کا ایک مسئلہ حل کرے، (ص۱۳)

آج جبکہ خوش فہمی سے بعض گروہ صوفیہ میں ہر قسم کے علم پر حجاب اکبر کا حکم لگا دیا گیا ہے، علم شریعت کے فضائل مذکورہ بالا یقیناً حیرت واستعجاب کے کانوں سے سنے جائینگے

(۲) الباب الثانی فی الفقر (ص۲۲) اس باب میں فضائلِ فقر ومسکنت کا بیان ہے، فضائل فقر میں متعدد آیات قرآنی وارد ہیں مثلاً للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف ۔ (بقرہ ع ۳۷)

یا پھر تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا (سجدہ ع ۲)

احادیث نبوی میں بھی بہ کثرت فضائلِ فقر وارد ہوئے ہیں، سرور کائنات صلعم خود اپنے متعلق دعا میں یہ آرزو کرتے تھے کہ اے پروردگار مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکین بنا کر وفات دے،

اور حشر مین زمرۂ مساکین مین اٹھا، ایک اور حدیث مین آتا ہے، کہ قیامت کے روز ارشادِ باری تعالیٰ ہوگا، کہ میرے دوستون کو حاضر کرو، فرشتے عرض کرین گے کہ بارالٰہا تیرے دوست کون ہین؟ جواب ملے گا کہ فقرا و مساکین" (او تو امنی احبای فیقول الملئکۃ من احباک فیقول اللہ الفقراء والمساکین، عہدِ رسالت مین فقرا مہاجرین تھے، جو مسجدِ نبوی مین تمام اسباب دنیوی سے قطع نظر کرکے محض عبادت الٰہی کے لئے بیٹھ جاتے تھے، اور اپنی روزی کے لئے محض مسبب الاسباب پر تکیہ و توکل رکھتے تھے، اُن کی خبرگیری اور ان کی رفاقت کے لئے خود رسول اللہ صلعم کو بارگاہِ رب العزت سے تاکید ہوتی تھی، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے، ولا تطرد الذین یدعون ربہم بالغداوۃ والعشی یریدون وجہہ اور ایک دوسرے مقام پر فرمان ملتا ہے، ولا تعد عیناک عنہم ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا ان تاکیدی احکام نے ان فقرا و مہاجرین کو اس مرتبہ پر پہونچا دیا تھا کہ سرورِ کونین جہان کہین انھین دیکھ لیتے تو ارشاد فرماتے، میرے ماں باپ تم پر فدا ہون کہ خدا نے تمھارے حق مین مجھ پر عتاب کیا،" (ص ۔۔)

صفحاتِ مابعد مین فقر کی حقیقت و آداب پر بحث کی ہے، اور غنا کے مقابلہ مین اس کی افضلیت بہ دلائل ثابت کی ہے،

(۳) الباب الثالث فی التصوف (ص ۔۔) تیسرا باب ماہیتِ تصوف پر ہے حضرت مصنف حسب عادت اس باب کا بھی آغاز قولِ خدا و قولِ رسول سے کرتے ہین، چنانچہ کلامِ الٰہی مین انھین اس باب کے تناسب یہ آیت ملتی ہے، وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبہم الجاھلون قالوا سلاما۔ اور احادیث مین سے اس کو پیش کرتے ہین، جو بجائے حدیثِ رسول صلعم کے کسی بزرگِ امت کا مقولہ معلوم

ہوتا ہے، من سمع صوت اهل التصوف فلا یؤمن علی دعائهم کتب عند الله من الغافلین، اس کے آگے مصنف کتاب اللمع کی طرح انھوں نے بھی تفصیلی بحث لفظ صوفی، اور اس کے اشتقاق پر کی ہے، لفظ صوفی کی تحقیق میں مختلف مذاہب ہیں، ایک گروہ

مردان اندر تحقیق این اسم بسیار سخن گفته اند
وکتب ساختہ وگروہے ازان گفته اند که صوفی
را برائے آن صوفی خوانده اند که جامۂ صوف
دارد، وگروہے گفته اند که صوفی را ازبرائے
آن صوفی خوانند که از صف اول باشد وگروہے
گفته اند که بدان صوفی گویند که تولّی به اصحاب
صفه رضی الله عنهم کرده اند وگروہے گفته اند
که این اسم از صفا مشتق ست و ہر کسے را
اندرین معنی اندر تحقیق این طریقت لطائف
بسیار است اما به مقتضائے لغت ازین
معنی بعیدی باشد، (ص۲۲)

کے نزدیک چونکہ یہ لوگ جامۂ صوف میں ملبوس رہتے
تھے، اس لئے صوفی کہلائے بعض کا خیال ہے کہ لفظ
صوفی کا ماخذ صف اول ہے یعنی یہ حضرات چونکہ صف
اول میں رہتے تھے۔ اس لئے لقب صوفی سے موسوم
ہوئے، ایک گروہ کا مسلک ہے کہ چونکہ ان لوگوں کو
اصحاب صفہ سے خاص محبت تھی، اس لئے صوفی کہلائے
ایک اور جماعت اس لفظ کا اشتقاق لفظ صفا سے
بتاتی ہے، اور ہر گروہ اپنی تائید میں دلائل وشواہد
لاتا ہے، لیکن لغت سے کسی قول کی بھی تائید نہیں
ہوتی،

شیخ کے نزدیک صوفی وہ ہے جس کا قلب "صفا" سے لبریز ہو اور "کدر" (گندگی) سے خالی ہو، اور اس مرتبہ تک کاملان ولایت ہی پہونچ سکتے ہیں،

صفا صفت کدر بود، کدر صفت بشر بود و بحقیقت صوفی بود، آنکہ ورا از کدر گزر بود، (ص۲۳)

"صوفی نامے ست کہ مر کاملان ولایت ومحققان را بدین نام خوانند و خوانده اند" (ص۲۵)

چنانچہ متقدمین مشائخ طریقت میں سے ایک بزرگ کا قول ہے، کہ:–

من صفاء الحب فهو صاف ومن صفاء الحبیب فهو صوفی، (ص۲۵) — جس کو محبت صاف کردے اسی پر صاف کا اطلاق ہوگا، اور جسے محبوب اپنے لئے صاف کرے اسے صوفی سے موسوم کریں گے۔

[۲] اہل تصوف کے تین درجہ ہیں صُوفی، متصوّف، اور مستصوف، تینوں کی تعریف شیخ ہی کے الفاظ میں سننے کے قابل ہے:۔

"صوفی آن بود کہ از خود فانی بود وبحق باقی وازقبضۂ طبائع رستہ وبحقیقت پیوستہ و متصوف آنکہ بمجاہدہ این درجہ را ہمی طلبد واندر طلب خود را برمعاملت ایشان درست ہمی کند و مستصوف آنکہ ازبرائے مال ومنال وجاہ وحظ دنیا خود را ماتند ایشان کردہ، وازین ہر دو چیز ہیچ خبر ندارد تا حدے کہ گفتہ اند، المستصوف عند الصوفیۃ کالذباب وعند غیرھم کالذیاب مستصوف بنزدیک صوفی از حقیرے چون مگس بود آنچہ کند نزدیک وے ہوس بود ونزدیک دیگران چون گرگ بے اختیار بود کہ ہمتش لختے مردار بود" (ص۲۵)

صوفی، صاحب وصول ہوتا ہے، کہ اسے وصل مقصود حاصل ہو چکتا ہے، متصوف صاحب اصول ہوتا ہے، کہ اصل پر قائم رہکر احوال طریقت میں مشغول رہتا ہے، مستصوف صاحب فضول ہوتا ہے، جس کی قسمت میں حقیقت سے مجوبی اور معانی سے محرومی ہے، (ص۲۵ وص۲۶)

بعض صوفیہ متقدمین نے صوفی، وتصوف کی جو تعریفات بیان کی ہیں، شیخ نے انھیں بھی سنداً پیش کیا ہے، (ص۲۶۔۲۹) مثلاً

(۱) الصوفی اذا نطق بان نطقہ عن الحقائق وان سکت نطقت عنہ الجوارح بقطع العلائق۔ — حضرت ذوالنون مصریؒ کہتے ہیں کہ صوفی وہ ہے کہ جب گفتار میں آتا ہے، تو اس کی زبان اس کے حقیقت حال کی ترجمان ہوتی ہے، اور جب خاموش ہوتا ہے تو اس کے

(ذوالنون مصریؒ)

انھضا شہادت دیتے ہیں کہ وہ علائق کو قطع کر چکا ہو۔

---

(۲) التصوف نعت اقیم العبد فیہ قیل نعت للعبد ام للحق فقال نعت الحق حقیقۃ ونعت العبد رسماً۔

(جنید بغدادیؒ)

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ تصوف نام اس صفت کا ہے جس میں بندہ کی اقامت ہو، لوگوں نے پوچھا یہ صفت بندے کی ہے یا حق کی جواب دیا کہ حقیقۃً وہ صفت حق کی ہے بظاہر بندہ کی ہے۔

---

(۳) التصوف ترک کل حظ للنفس

(ابوالحسن نوری)

حضرت ابوالحسن نوری کا قول ہے کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کا نام ہے۔

(۴) الصوفیۃ ھم الذین صفت ارواحھم فصاروا فی الصف الاول بین یدی الحق۔

(ایضاً)

انھیں بزرگ کا یہ بھی قول ہے کہ صوفی وہ لوگ ہیں جن کی ارواح آلائشوں سے پاک ہو چکی ہے، اور وہ رب العزت کے حضور میں صف اول میں حاضر ہیں۔

(۵) الصوفی الذی لا یملک ولا یملک

(ایضاً)

انھیں بزرگ سے یہ بھی منقول ہے کہ صوفی وہ ہے جو نہ خود کسی کا مالک ہو نہ کوئی اس کا مالک ہو۔

---

(۶) التصوف رؤیۃ الکون بعین النقص بل غض الطرف عن الکون

(ابوعمرو دمشقیؒ)

ابوعمرو دمشقیؒ ارشاد کرتے ہیں کہ تصوف نام ہے کائنات کی جانب نگاہ عیب جوئی سے دیکھنے کا، بلکہ سرے سے نہ دیکھنے کا۔

---

(۷) التصوف شرک لانہ صیانۃ القلب عن رؤیۃ الغیر ولا غیر۔

(الشبلیؒ)

حضرت شبلی فرماتے ہیں کہ تصوف ایک طرح کا شرک ہے اس لئے کہ یہ نام ہے قلب کو غیر سے محفوظ رکھنے کا، درآنحالیکہ غیر کا سرے سے وجود ہی نہیں۔

---

(۸) التصوف صفاء السر من کدورۃ

شیخ حصریؒ کا مقولہ ہے کہ تصوف نام ہے قلب کو

الخالفة	(حصریؒ)	مخالفتِ حق کی کدورت سے پاک رکھنے کا،
(۹) التصوف لایری فی الدارین مع اللہ غیر اللہ،	(شبلیؒ)	شبلیؒ سے یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ صوفی دونوں جہان میں بجز خدا کے کسی کو نہیں دیکھتا،
(۱۰) التصوف اسقاط الرؤیا للحق ظاہراً و باطنا	(علی بن بندار نیشاپوری)	شیخ علی بن بندار نیشاپوری کا ارشاد ہے کہ تصوف یہ ہے کہ صوفی کو اپنا ظاہر و باطن نظر نہ آئے، سب حق ہی حق نظر آئے،

اسی باب میں اہلِ تصوف کے مزید خصوصیات، اُن کے معاملات، اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی میں ان کی کوششوں کو بیان کیا ہے،

(۴) الباب الاربعہ فی لبس المرقعات، (ص۳، ص۴) چوتھے باب میں مرقع پوشی (یعنی پیوند کار لبادون) کے فضائل کا ذکر ہے، اور اس دستور کو سنتِ رسول و آثارِ صحابہؓ سے ثابت کیا ہے،

(۵) باب فی ذکر اختلافہم فی الفقر والصفوۃ (ص۴، ص۵) اس باب میں اس مسئلہ پر بحث ہے کہ فقر و صفا دونوں میں افضل کون ہے؟ بعض صوفیہ نے فقر کو ترجیح دی ہے، اور بعض نے صفا کو، شیخ نے محاکمہ کرنا چاہا ہے، پھر بھی بحث تشنہ رہ گئی،

(۶) باب الملامت، (ص۵، ص۶) اس باب میں اس آیتِ قرآن کی تفسیر میں ولا یخافون لومۃ لائم ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔۔ طریقۂ ملامت کی ستایش کی ہے، اور یہ دکھایا ہے کہ اہلِ حق راہِ حق میں کسی ملامت کی پروا نہیں کرتے، بلکہ خلق کی نظر میں رسوا و مطعون ہو کر اپنی للّٰہیت و حق پرستی کا عملی ثبوت بہم پہونچاتے ہیں، اس طریقہ کی نشر و اشاعت کا سہرا شیخ ابو حمدون قصارؒ کے سر ہے،

حصولِ ملامت کی تین صورتیں ہیں، ایک صورت "راست رفتن" یعنی معمولی طور پر راست روی کی ہے، لوگ اس میں خواہ مخواہ مطعون کرنے لگتے ہیں، دوسری صورت "قصد کردن" کی ہے یعنی بالقصد ایسے فعل کا ارتکاب کرنا جس سے نفس کی حبِ جاہ کو صدمہ پہونچے، اور لوگ زبانِ طعن دراز کریں، یہ دونوں صورتیں محمود ہیں، تیسری صورت "ترک کردن" کی ہے یعنی کوئی فعل خلافِ شریعت اختیار کرنا یہ طریقہ سرتاسر نامحمود اور نتیجہ کفر و ضلالت طبعی ہے (ص ۴۳) زمانۂ حال کے جو رنگین لباس اپنے تئیں سلسلۂ ملامتیہ میں منسلک بتاتے ہیں عموماً اسی آخری طریقہ پر عمل کرتے رہتے ہیں یعنی فرائض شرعی کا ترک اور منہیات شرعی کا ارتکاب، اور اپنی اس گمراہی کا نام فقر و تصوف رکھتے ہیں، اس طبقہ کو پیش نظر رکھکر شیخ کے الفاظ ذیل کا مطالعہ عبرت و دلچسپی سے خالی نہ ہوگا،

اما آنکہ طریقش ترک باشد و خلافِ شریعت چیزے بدست گیرد و گوید کہ این طریق ملامت می ورزم، و آن ضلالت واضح باشد و آفت ظاہر، و ہوس صادق، چنانچہ اندرین زمانہ بسیارے ہستند کہ مقصودِ شان از ردِ خلق قبول ایشان بود، (ص ۶۴)

جو شخص طریق ترک کو اختیار کرتا ہے اور خلافِ شریعت کسی فعل کا ارتکاب کرکے کہتا ہے کہ میں اصولِ ملامتیہ کی پیروی کر رہا ہوں، اس کا یہ فعل ضلالت واضح ہے، روشن اور ہوس صریح ہے، چنانچہ آج کل بہتیرے ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جنکا مقصود طریق ملامتیہ کے پردہ میں نمود و نمائش ہوتا ہے نہ کہ اس کا ترک،

اس کے آگے اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کیا ہے، کہ ان کا ایک مرتبہ اسی طرح کے ایک مصنوعی ملامتی کا ساتھ ہو گیا، اس نے ایک بدکرداری کی، اور اس کی غرض تحصیلِ ملامت بیان کی، ان کے ایک رفیق نے اس کے اس فعل پر اعتراض کیا، اس پر اس نے آہ سرد کھینچی، شیخ نے کہا اگر ملامتی ہونے کے مدعی ہو، اور اپنے اعتقاد میں سچے ہو، تو اس رفیق کا ٹوکنا تحسین گردان

کیون گذرا انھیں تو اور خوش ہونا چاہیئے تھا کہ مقصد ملامت حاصل ہو رہا ہے، یہ شیخ کا یہ فقرہ آجکل کے شریعت شکن مدعیانِ فقر و درامت کے لئے خصوصیت کے ساتھ قابلِ غور ہے،

ہر کہ خلق را دعوت کنند بامرے از حق مرآن	جو شخص خلق کے سامنے دعوتِ حق سے کرانے کا
را برہانے باید برہان آن حفظِ سنت باشد	مدعی ہوتا ہے، اسے اپنے دعوی کے ثبوت مین
چون از تو ترک فریضہ بیم و تو خلق را بدان	کوئی دلیل بھی لانا چاہیئے، اور یہ دلیل پابندیٔ سنت
دعوت میکنی این کار از دائرۂ اسلام می باشد	رسول صلعم ہے، تم دعوتِ حق کے مدعی ہو، مگر جب
(ص۴۳)	تم نے صریحاً ترکِ فریضہ کیا تو یہ فعل دائرۂ اسلام سے خارج ہے

(۷) باب فی ذکر ائمتہم من الصحابہؓ (ص۴۳-۴۴) اس باب مین خلفاء اربعہؓ کا ذکر ہے، جو تمام صوفیون کے سرگروہ و پیشوا ہوئے ہین، اور اس مین قدرۃً سب سے زیادہ اہمیت حضرت صدیقؓ و حضرت امیرؓ کو دی گئی ہے، حضرت صدیقؓ کا تذکرہ ان الفاظ مین شروع ہوتا ہے

"شیخ الاسلام و بعد از انبیا خیر الانام، خلیفۂ و امام، و سید اہل تجرید و شاہنشاہِ ارباب تفرید، و از آفاتِ انسانی بعید، امیر المومنین ابوبکر عبد اللہ الصدیق کہ ویرا کرامات مشہور است و آیات و دلائل ظاہر .... و مشایخ ویرا مقدم ارباب مشاہدت کنند"

علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ذکر ان الفاظ مین ہے۔

"و برادرِ مصطفےٰ و غریق بحرِ بلا و حریق نارِ ولا و مقتدائے جملہ اولیا و اصفیا ابو الحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ او را اندرین طریقت شانے و درجہ رفیع بود .... تا حدے کہ جنید گوید رحمۃ اللہ علیہ شیخنا فی الاصول والبلاء علی المرتضیٰ شیخ ما اندر اصول و اندر بلا کشیدن علی مرتضیٰ است یعنی امام ما اندر علم طریقت و معاملات آن علی مرتضیٰ است، ...... اہل این طریقت اقتدا کنند باو اندر حقائق عبارات و دقائق اشارات و تجرید از معلوم دنیا و آخرت و نظارۂ اندر تقدیر

حق ولطائف کلام وے بیشتر از آن ست کہ بہ عدد اندر آید ۔ “ (ص۷۳)

حضرت عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ کے مبارک تذکرے بھی تقریباً ایسے ہی شاندار الفاظ میں ہیں ،

(۸) باب فی ذکر ائمتہم من اہل البیت (ص۷۵ تا ص۷۸) یہ باب مناقب اہل بیت خصوصاً امام حسنؓ ، امام حسینؓ ، امام زین العابدینؒ ، امام ابوجعفر بن باقرؒ و امام جعفر صادقؒ کے کمالات عالیہ پر مشتمل ہے ،

(۹) باب فی ذکر اہل الصفہ (ص۷۸ ، ص۸۰) اصحاب صفہ کے حالات میں مصنف نے اپنی ایک مستقل تصنیف منہاج الدین کا حوالہ دیا ہے ، اس باب میں صرف ان کے اسماء گرامی کو شمار کر دیا ہے ،

(۱۰) باب فی ذکر ائمتہم من التابعین ، (ص۸۰ ، ص۸۴) یہ باب اویس قرنیؒ ، ہرم بن حیان ، خواجہ حسن بصریؒ ، اور سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہم کے تذکروں پر مشتمل ہے ، گویا تابعین میں صوفیوں کے سردار و پیشوا یہ حضرات ہوئے ہیں ،

(۱۱) باب فی ذکر ائمتہم من تبع التابعین (ص۸۴ ، ص۱۱۹) اس باب کے تحتانی عنوانات ۴۹ ہیں اور ہر عنوان ایک ایک بزرگ کے تذکرہ کے لئے وقف ہے ، امام ابوحنیفہؒ ، امام شافعیؒ ، مالک بن دینارؒ ، احمد حنبلؒ ، حبیب عجمیؒ ، ذوالنون مصریؒ ، داؤد طائیؒ ، معروف کرخیؒ ، ابراہیم ادہمؒ ، سری سقطیؒ ، فضیل بن عیاضؒ ، جنید بغدادیؒ ، ابوبکر شبلیؒ ، منصور حلاج ، ان چند پر سارے عنوانات کو قیاس کرنا چاہئے گویا طبقہ تبع تابعین میں اکابر صوفیہ کی فہرست ابوحنیفہ ، شافعی و احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے اسمائے گرامی سے شروع ہوتی ہے ،

(۱۲) باب فی ذکر ائمتہم من المتاخرین ، (ص۱۱۹ ، ص۱۳۳) متاخرین صوفیہ میں دس بزرگوں کے حالات

درج کیے ہیں جنہیں ابوالحسن خرقانیؒ و امام ابوالقاسم قشیریؒ کے نام خاص طور پر قابل لحاظ ہیں۔

(۱۳) باب فی ذکر رجال الصوفیہ من المتاخرین علی الاختصار من اہل البلدان (ص ۱۲۳-۱۲۶)

اسے باب ماقبل کا تکملہ سمجھنا چاہئے، اس میں معاصرین صوفیہ کا تذکرہ ہے، اور ان کے طبقات کو ان کی وطنیت کی بنا پر تقسیم کیا ہے مثلاً صوفیۂ شام و عراق، صوفیۂ پارس، صوفیۂ قہستان، آذربائجان و طبرستان، صوفیۂ کرمان، صوفیۂ خراسان، صوفیۂ ماوراء النہر، صوفیۂ غزنین،

(۱۴) باب فی فرق فرقہم فی مذاہبہم (ص ۱۲۶-۲۱۰) کتاب کا سب سے طویل و ضخیم باب یہی ہے، اس میں صوفیہ کے مختلف سلاسل، ان کے اصول اور باہمی فروق کا ذکر ہے، شیخ کے استقصا میں اس وقت تک صوفیہ کے کل بارہ سلسلے تھے جنہیں سے دس مقبول اور اہل حق تھے، اور باقی دو مردود اور اہل ضلالت تھے، دس مقبول سلسلوں کے نام مع ان کے بانیوں کے حسب ذیل ہیں:۔

	نام سلسلہ	نام بانی سلسلہ
(۱)	محاسبیہ	عبداللہ بن حارث محاسبیؒ
(۲)	قصاریہ	ابوحمدون قصارؒ
(۳)	طیفوریہ	بایزید بسطامیؒ
(۴)	جنیدیہ	جنید بغدادیؒ
(۵)	نوریہ	ابوالحسن نوریؒ
(۶)	سہلیہ	سہل تستریؒ
(۷)	حکیمیہ	حکیم ترمذیؒ
(۸)	خرازیہ	ابوسعید خرازؒ

	نام سلسلہ	نام بانی سلسلہ
(۹)	خفیفیہ	ابو عبد اللہ خفیفؒ
(۱۰)	سیاریہ	ابو العباس سیاریؒ،

گیارہویں سلسلہ کا نام جو مردود دین و اہل ضلالت کا ہے، سلسلۂ حلولیہ ہے، جس کا بانی ابو حلمان دمشقی ہوا ہے، بارہویں سلسلہ کا نام کہ وہ بھی مردود ہے، درج کتاب نہیں، اس کا انتساب فارسؔ[1] کی جانب کیا جاتا ہے، (ص ۱۹۵) اس باب میں ضمناً اکثر مہمات مسائل تصوف پر بحث آ گئی ہے، چند تحتانی ابواب کے عنوانات سے نوعیت مضامین کا اندازہ ہو سکے گا، حقیقت رضا فرق بین الحال و المقال، الکلام فی السکر والصحو، الکلام فی حقیقۃ النفس ومعنی الھوی، الکلام فی مجاہدۃ النفس، الکلام فی حقیقۃ الھویٰ، الکلام فی اثبات الولایت، الکلام فی اثبات الکرامت، الکلام فی البقاء والفناء، الکلام فی الغیبۃ والحضور، الکلام فی الجمع والتفرقہ، تفصیل الانبیاء والاولیاء علی الملائکہ وقس علی ہذا،

باب چہاردہم تک گویا تاریخی وتنقیدی حصہ تھا، اس کے بعد سے کشف المحجوب میں مستقلاً مسائل سلوک کی تشریح شروع ہوتی ہے، اور حجابات کا کشف ہونے لگتا ہے، مصنفؒ نے گیارہ حجابات قرار دیئے ہیں اور آیندہ ہر باب میں ایک ایک حجاب کو اٹھایا ہے، ہر باب متعدد فصول پر منقسم ہے، عنوانات ابواب پر نظر کرنا کافی ہوگا،

(۱۵) کشف الحجاب الاول فی معرفۃ اللہ، ص ۲۰۳ تا ص ۲۰۸،

(۱۶) کشف الحجاب الثانی فی التوحید، ص ۲۰۸ تا ص ۲۱۵،

(۱۷) کشف الحجاب الثالث فی الایمان، ص ۲۱۵ تا ص ۲۱۹،

---

[1] ملا جامی نے ان کا پورا نام فارس بن عیسیٰ بغدادی درج کیا ہے، (نفحات الانس ص ۲۸۲ مطبوعہ کلکتہ)

(۱۸) کشف الحجاب الرابع فی الطہارۃ (ص ۱۹۶ تا ۲۲۶) اس میں ایک تحتانی باب فی التوبۃ وما یتعلق بہا ہے۔

(۱۹) کشف الحجاب الخامس فی الصلوٰۃ ص ۲۲۶ تا ۲۳۹ اس میں ایک تحتانی باب فی المحبۃ وما یتعلق بہا ہے،

(۲۰) کشف الحجاب السادس فی الزکوٰۃ ص ۲۳۹ تا ۲۴۴ اس میں ایک تحتانی باب جود و سخا پر ہے

(۲۱) کشف الحجاب السابع فی الصوم ص ۲۴۴ تا ۲۵۰ اس میں ایک تحتانی باب جوع پر ہے،

(۲۲) کشف الحجاب الثامن فی الحج ص ۲۵۰ تا ۲۵۵ اس میں ایک تحتانی باب مشاہدہ پر ہے،

(۲۳) کشف الحجاب التاسع فی الصحبۃ ص ۲۵۵ تا ۲۸۶ صحبت کو سلوک و طریقت میں جو مرتبہ اہمیت حاصل ہے، اس کے لحاظ سے یہ بالکل قدرتی ہے کہ یہ باب اس قدر مبسوط و مفصل ہے، آداب و احکام صحبت کی تفصیل میں یہ باب بجائے خود تحتانی ابواب پر منقسم ہے جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں:۔

باب الصحبۃ وما یتعلق بہا، باب آدابہم فی الصحبۃ، باب آداب الصحبۃ فی الاقامۃ، باب آدابہم فی السفر، باب آدابہم فی الاکل، باب آدابہم فی المشی، باب آداب نومہم فی السفر والحضر، باب آدابہم فی الکلام والسکوت، باب آدابہم فی السوال، باب آدابہم فی التزویج والتجرید۔

(۲۴) کشف الحجاب العاشر فی بیان منطقہم وحدود الفاظہم وحقائق معانیہم (ص ۲۸۶ تا ۳۰۲) اس میں پہلے کسی قدر تفصیل کے ساتھ ان اہم مصطلحات کے معانی اور ان کے باہمی فرق کی توضیح کی ہے جنہیں ارباب سلوک و طریقت استعمال کرتے رہتے ہیں مثلاً حال و وقت، مقام و تمکین، محاضرات و مکاشفات، قبض و بسط، انس و ہیبت، قہر و لطف، نفی و اثبات، مسامرہ و محادثہ، علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، علم معرفت، شریعت و حقیقت وغیرہ، نوعیت مباحث کا اندازہ اقتباس ذیل سے ہوگا جس میں شریعت و حقیقت کے تعلق باہمی کو بیان کیا ہے:۔

"شریعت فعل بندہ بود، و حقیقت داشت خداوند و حفظ و عصمت وے پس اقامت شریعت بے وجود حقیقت محال باشد و اقامت حقیقت بے حفظ شریعت ہم محال، و مثال این چون شخصے

باشد زندہ بجان و چون جان از وے جدا شود، آن شخص مردارے باشد جان چون باوے کہ قیمت شان از مقارنت یکدیگر است، ہمچنین شریعت بے حقیقت ریاے بود و حقیقت بے شریعت نفاق، و خداوند گفت والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا، مجاہدت شریعت آمد و ہدایت حقیقت، آن یکے حفظ بندہ باشد مر احکام ظاہر را بر خود، و آن دیگر حفظ حق بود مر احوالِ باطن را بر بندہ، پس شریعت از مکاسب بود و حقیقت از مواہب، (ص ۳۰)

اس کے بعد مختصراً اور بہت سے مصطلحاتِ صوفیہ کے معانی درج کیے ہیں، مثلاً حق، حقیقت، ذات، صفت، جوہر،

(۲۵) کشف الحجاب الحادی عشر فی السماع، (ص ۳۰۷-۳۲۳) یہ آخری باب جو سماع سے متعلق ہے، بجائے خود دس حصوں میں منقسم ہے، جن کے عنوانات یہ ہیں، باب سماع القرآن، باب سماع الشعر، باب سماع الاصوات والالحان، باب فی احکام السماع، باب اختلافہم فی السماع، باب مراتبہم فی السماع، باب فی الوجد والتواجد، باب فی الرقص، باب فی الخرق، باب فی آداب السماع،

شیخ کے نزدیک سماع کی بہترین صورت سماعِ آیاتِ قرآنی ہے، فرماتے ہیں،

"اولیٰ ترین سماع مسموعات، مر دل را بہ فوائد، و سر را بہ زوائد، و گوش را بہ لذت، کلام خداوند عزاسمہ است، و مامورند ہمہ مومنان و مکلف اند ہمہ کافران از آدمی و پری شنیدن کلام ایزد تعالیٰ" (ص ۳۰۸)

سماعِ قرآن کی فضیلت و استحسان سے تو کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا، قابلِ بحث شے سماعِ مروجہ یعنی سماعِ غنا ہے، شیخ خود سماع سنتے تھے، اور اسوۂ رسول صلعم اور آثارِ صحابہؓ کی سند اپنے عمل کی تائید میں رکھتے تھے، (ص ۳۱۲-۳۱۴) چنانچہ ابو عبد الرحمٰن سلمی کی کتاب السماع کا حوالہ بھی دیتے ہیں، جس میں انھوں نے جوازِ سماع کی تائید میں احادیثِ رسول صلعم و آثارِ صحابہؓ کو نقل کیا

ہے (ص۲۱۶) تاہم فرماتے ہیں کہ:-

مراد مشائخ متصوفہ ازیں طلبیدن بجز اباحت (از آنچہ اعمال خواند باید) اباحت طلبیدن کار عوام باشد و بر محل مباح ستور اند بندگان مکلف را باید تا از کردار فائدہ طلبند۔ (ص۲۱۶)

مشائخ صوفیہ اباحت سماع کے متلاشی نہیں رہتے اس لئے کہ کسی عمل کو اس کی اباحت کی بنا پر نہیں فوائد کی بنا پر اختیار کرنا چاہئے، تلاش اباحت میں صرف عوام رہتے ہیں، سند جواز چارپایوں کے لئے کافی ہو سکتی ہے، انسان جس کے لئے تکالیف شرعی رکھی گئی ہیں، اسے چاہئے کہ اعمال کو فوائد روحانی کی بنا پر اختیار کرے۔"

اس کے آگے ایک اپنا ذاتی واقعہ تحریر فرماتے ہیں، جو اس مسئلہ پر قول فیصل کا حکم رکھتا ہے، کہتے ہیں کہ:-

وقتے من بہ مرو بودم یکے از ائمہ اہل حدیث کہ معروف ترین ایشان بود مرا گفت کہ من اندر اباحت سماع کتابے کردہ ام۔ گفتم بزرگ مصیبتی کہ اندر دین پدید آمد کہ خواجہ امام لہوے را کہ اصل ہمہ فسقہا است حلال کرد، مرا گفت پس اگر حلال نمی دانی تو چرا میکنی؟ گفتم حکم این بر وجوہ است بر یک چیز قطع نتوان کرد، اگر تاثیر اندر دل حلال بود سماع حلال بود۔ و اگر حرام بود، حرام و اگر مباح بود مباح

ایک زمانہ میں میں مرو میں تھا، ایک روز وہاں کے مشہور ترین امام اہلحدیث نے مجھ سے کہا کہ میں نے جواز سماع پر ایک کتاب تصنیف کی ہے، میں نے کہا کہ یہ تو بڑا غضب ہوا، کہ حضرت امام نے ایک ایسے لہو کو حلال کر دیا، جو ہر فسق کی جڑ ہے، انھوں نے کہا کہ اگر تم حلال نہیں سمجھتے ہو تو خود کیوں سنتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ اس کا حکم مختلف حالات پر منحصر ہے، کوئی ایک حکم قطعی طور پر نہیں لگایا جا سکتا، اگر سماع سے دل میں تاثیر حلال پیدا

چیزے راکہ حکم ظاہرش فسق است و اندر باطن حالش روشن بر وجوہ است، اطلاق آن بہ یک چیز محال باشد، (ص ۴۱۳)

ہوتی ہے تو سماع حلال ہے، اگر حرام پیدا ہوتی ہو تو حرام ہے، اگر مباح پیدا ہوتی ہے تو مباح ہے ایسی شے جس کے ظاہر پر حکم فسق کا ہے، اور جس کا باطن مختلف احوال کا حامل ہے، اس پر کوئی ایک قطعی حکم لگا دینا محال ہے،

کتاب کے سب سے آخری باب میں جو آداب السماع کے عنوان سے ہے، شیخؒ نے حسب ذیل شرائط سماع تحریر کیے ہیں :-

(۱) خواہ مخواہ ارادہ کر کے سماع نہ سنے طبیعت کو جب از خود رغبت ہو، اس وقت سنے

(۲) بہت کثرت سے سماع کبھی نہ سنے، کہ طبیعت اس کی خوگر ہو جائے بلکہ کبھی کبھی سنے تاکہ ہیبت سماع دل پر قائم رہے،

(۳) محفل سماع میں ایک مرشد یا پیر طریقت موجود رہے،

(۴) محفل میں عوام نہ شریک ہوں،

(۵) قوال پاکباز ہو، فاسق نہ ہو،

(۶) قلب مکروہات دنیوی سے خالی ہو،

(۷) طبیعت لہو لعب کی جانب آمادہ نہ ہو،

(۸) کسی قسم کا تکلف نہ کیا جائے،

تاثیر سماع کے چند مؤثر واقعات لکھنے کے بعد، اور یہ تسلیم کر کے کہ سماع بعض صورتوں میں نفس انسانی کا بہترین مصلح ہوتا ہے، شیخ اپنے تئیں اپنا یہ تلخ تجربہ بھی قلمبند کرنے پر مجبور پاتے ہیں کہ

اندریں زمانہ گروہے گم شدگان بہ سماع فاسقان حاضر شوند، و گویند کہ سماع از حق میکنیم و فاسقان

اس زمانہ میں گمراہوں کا گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو فاسقوں کی محفل سماع میں شریک ہوتا ہے، اور کہتا ہے کہ ہم سماع

از آنکہ ایشان عمر ایشان را اندران موافقت کنند بر سماع کردن و بہ فسق و فجور حریص تر شوند تا خود ایشان ہلاک شوند، (ص ۲۲)

حق کے لئے سنتے ہیں، فاسقوں کا فسق و فجور اس سے اور بڑھتا ہے، یہاں تک کہ یہ اور وہ دونوں برباد ہو جاتے ہیں۔

یہ حال جب آج سے نو سو سال قبل کا تھا، تو پھر موجودہ مشائخ، پیرزادوں، اور سجادہ نشینوں کی عام محافلِ سماع کس حکم میں داخل ہوں گی ؟

باب (۳)

رسالۂ قشیریہ

(امام ابوالقاسم قشیریؒ)

استاد ابوالقاسم قشیری، شیخ ہجویری صاحب کشف المحجوب کے بزرگ اور ہم عصر تھے، شیخ ہجویریؒ نے پانچویں صدی کے وسط میں اپنی تالیف فارسی میں کی، استاد قشیری چند سال قبل اپنا رسالہ عربی میں مرتب کر چکے تھے، تصوف کے موجودہ قدیم ذخیرہ میں شہرت واستناد کا جو مرتبہ امتیاز رسالہ کو حاصل ہے، کم تر کسی دوسرے کے نصیب میں آیا، کتاب اللمع کا پتہ لگنے سے پیشتر دنیا میں تصوف کی قدیم ترین کتاب یہی رسالہ خیال کیا جاتا تھا،

(۱) مصنف

تذکروں میں حالات بہت مختصر ملتے ہیں، اسم گرامی ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ لقب زین الاسلام تھا[1]، مولد خراسان[2]، مدفن نیشاپور ہے[3]، تاریخ ولادت بقول شیخ الاسلام ذکریا انصاری شارح رسالہ، ربیع الاول ۳۷۶ھ ہے[4]، تاریخ وفات سب کے نزدیک مسلم ہے، ۱۶ ماہ ربیع الثانی ۴۶۵ھ، اس حساب سے ۹۰ سال کی عمر ہوتی ہے، ہنوز بچہ تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ابتدائی

۱؎ مدینۃ العلوم دمشقی، ۲؎ سفینۃ الاولیاء (ص۱۷۱) لکھنؤ، ۳؎ رسالۂ قشیریہ، مطبوعہ مصر، سرورق، ۴؎ ایضاً،

تعلیم ابوالقاسم یمانی سے حاصل کی، جو عربی زبان وادب کے نامور استاد تھے، عنفوان شباب کے شوق میں شیخ وقت ابوعلی دقاق کی خدمت میں حاضر ہوئے، ارشاد ہوا کہ "پہلے علوم دینی میں کمال حاصل کرو" اس حکم کی تعمیل میں تفسیر، حدیث، کلام، اصول، فقہ، نحو، شعر وغیرہ جملہ علوم متداولہ میں تبحر حاصل کیا، چنانچہ جن حضرات سے استفادہ کیا، وہ اس زمانہ کے بہترین ماہرین فنون تھے، مثلاً ابوالحسن بن بشران، ابونعیم اسفرائنی، ابوبکر طوسی، ابوبکر فورک، ابواسحق اسفرائنی وغیرہم[1]

علوم ظاہری میں فراغت کے بعد ابوعلی دقاق کی خانقاہ تصوف و فقر میں قدم رکھا، اور شیخ کی صاحبزادی سے عقد بھی کیا، ان کے وصال کے بعد شیخ عبدالرحمن سلمی (صاحب طبقات الصوفیہ) سے مستفید ہوتے رہے، بیعت شیخ دقاق ہی سے تھی[2] رسالہ میں ان کا ذکر خاص عقیدت کے ساتھ کیا ہے، اور دونوں کے نام کے ساتھ لقب استاد کا اضافہ کرتے گئے ہیں،

تصانیف ہر فن پر کثرت سے چھوڑیں، اور محققانہ، شیخ ہجویری فرماتے ہیں:-

"اندر ہر فن او را لطائف بسیار است، و تصانیف نفیس جملہ بالتحقیق، کشف المحجوب ص[3]"

شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تصانیف ذیل کا ذکر کیا ہے[4]:-

(۱) رسالۂ قشیری،

(۲) ایک عظیم الشان و بے مثل تفسیر قرآن[5] "تفسیرے است نہایت کلاں و آں بہترین تفاسیر است[6]"

(۳) نحو القلوب،

---

[1] یہ ساری معلومات بستان المحدثین، شاہ عبدالعزیز دہلوی سے ماخوذ ہیں، ص۸۵ (مطبوعہ لاہور) [2] ایضاً [3] نفحات الانس ص۳۵۰ (کلکتہ) [4] بستان المحدثین [5] صاحب مدینۃ العلوم نے اس کا نام تفسیر کبیر لکھا ہے، ہو من اجل التفاسیر (صفحہ) [6] بستان المحدثین، ہمارے عصر میں قرآن کے بہترین عالم مولانا حمید الدین صاحب نظم القرآن اکی زبانی بھی یہی تعریف سنی[illegible]

(۴) لطائف الاشارات،

(۵) کتاب الجواہر،

(۶) کتاب احکام السماع،

(۷) کتاب آداب الصوفیہ،

(۸) کتاب عیون الاجوبہ،

(۹) کتاب المناجات،

(۱۰) کتاب المنتہی[1]،

عبادت میں جو شغف و اہتمام تھا، اس کا اندازہ اس سے ہوگا، کہ مرض الموت میں نوافل تک ترک نہ ہونے پائیں، اور نمازیں برابر کھڑے ہو کر ادا کرتے رہے[2]،

فقر و تصوف میں جو پایہ رکھتے تھے، اس کی کیفیت شیخ ہجویری کے الفاظ ذیل سے معلوم ہوگی،

"استاذ و امام و زین الاسلام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری، اندر زمانہ خود بدیع بود، و قدرش رفیع و منزلتش بزرگ و معلوم است اہل زمانہ را روزگار وے، و انواع فضلش، و اندر ہر فن، ورا لطائف بسیار است، و تصانیف نفیس، جملہ با تحقیق، و خداوند تعالیٰ حال و زبان وے را از حشو محفوظ گردانیدہ بود" (کشف المحجوب ص۱۲۱)

مدینۃ العلوم کی عبارت ذیل سے معلوم ہوتا ہے، کہ فاضل ہمہ داں اور جملہ علوم و فنون کے جامع تھے،

کان جامعاً بین اشتات العلوم، کان فقیہاً اصولیاً محققاً محدثاً حافظاً متکلماً نحویاً لغویاً کاتباً۔ شاعراً

[1] مدینۃ العلوم میں جو فہرست تصانیف دی ہوئی ہے، وہ اس سے کسی قدر مختلف ہے[2] بستان المحدثین ص۴۰۔

منصور حلاج سے متعلق صوفیہ کے ایک بڑے گروہ کو تردد و تذبذب رہا ہے، استاد قشیری کا یہ مقولہ جو مستند تذکروں میں منقول ہے، اس باب میں قول فیصل سمجھا جاتا ہے :۔

"چنانکہ استاد ابو القاسم قشیری گفت در حق او کہ اگر مقبول بود بہ رد خلق مردود نگردد و اگر مردود بود بہ قبول خلق مقبول نگردد"

شیخ ابو الحسن خرقانی کی عظمت سے قلب بہت زیادہ متاثر تھا، صاحب کشف المحجوب لکھتے ہیں :۔

"از استاد ابو القاسم قشیری شنیدم کہ چوں من بولایت خرقان اندر آمدم فصاحتم برسید و عبارتم نماند از حشمت آں پیر، و پنداشتم کہ از ولایت خود معزول شدم " (ص۱۱۱)

یعنی استاد قشیری مجھ سے فرماتے تھے کہ جب میں خرقان پہونچا تو اس بزرگ کی ہیبت اس قدر طاری ہوئی کہ گویائی جاتی رہی، اور تاب گفتگو نہ رہی یہ خیال پیدا ہوا کہ ولایت سے معزول کر دیا گیا ہوں

یہ قول شیخ فریدالدین عطار نے بھی نقل کیا ہے، (تذکرۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۲)

صاحب کشف المحجوب نے امام قشیری کے متعدد صوفیانہ اقوال اپنے یہاں نقل کئے ہیں، ان میں سے ایک آدھ درج کئے جاتے ہیں،

مردماں اندر فقر و غنا سخن گفتہ اند و خود را اختیار کردہ، و من آں اختیار کنم کہ حق مرا اختیار کند و مرا اندر آں نگاہ دارد، اگر توانگر داردم غافل نباشم و اگر درویش خواہدم حریص و معترض نباشم (ص۱۱)

لوگوں کے اقوال فقر و توانگری سے متعلق مختلف ہیں، اور کسی نے ایک کو اپنے لئے اختیار کیا ہے، کسی نے دوسرے کو، لیکن میں اسی شے کو اختیار کرتا ہوں جو خدا میرے لئے اختیار کرے اور جیسے مجھ رکھے، اگر توانگر بنا کر رکھے تو غافل نہ ہونگا، اگر فقیر بنا کر رکھے

ملہ تذکرۃ الاولیاء شیخ فریدالدین عطار جلد ۲ ص ۳۵۵،

تو حریص و نافرمان ہرگز نہ رہونگا،

مثل التصوف کعلۃ البرسام اولہ ہذیان وآخرہا سکوت فاذا تمکنت خرست

صوفی کی مثال مرض برسام کی سی ہے، جس کے ابتدا میں ہذیان ہوتا ہے اور انتہا میں سکوت یعنی جب تم کمال کو پہونچ جاتے ہو تو زبان گنگ ہوجاتی ہے،

شیخ فرید الدین عطارؒ کی روایت ہے کہ امام قشیری سماع کے قائل نہ تھے۔

"نقل است کہ استاد ابوالقاسم سماع را معتقد نہ بود" (جلد ۲، ص۲۴۳)

لیکن خود رسالۂ قشیریہ میں سماع سے انکار صریح نہیں پایا جاتا، بین بین کی سی حالت ہے،

روایت ذیل کی ذمہ داری حضرت عطارؒ پر ہے،

جس صبح کو حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر نیشاپور وارد ہونے والے تھے، اُس کی شب میں خود استاد ابوالقاسم قشیریؒ اور اُن کے تیس مریدوں نے خواب دیکھا کہ آفتاب زمین پر اتر آیا ہے، صبح کو شہر میں شیخؒ کے ورود کا غلغلہ ہوا، استاد موصوفؒ نے اپنے حلقہ نشینوں کو شیخؒ کے پاس حاضر ہونے سے منع کر دیا، لیکن جن جن شاگردوں نے وہ خواب دیکھا تھا، سب حاضر خدمت ہوئے، استادؒ کو اس سے ملال ہوا، اور وہ خود شیخؒ سے ملنے نہ آئے، ایک روز سر منبر استادؒ نے بیان فرمایا کہ:۔

"مجھ میں اور ابوسعیدؒ میں یہ فرق ہے کہ ابوسعیدؒ خدا کو دوست رکھتا ہے، اور خدا مجھکو، پس اسکے اور میرے وہ نسبت ہے جو ذرہ کو کوہ سے ہوتی ہے"

کسی نے یہ مقولہ شیخؒ کے سامنے نقل کیا، ارشاد ہوا کہ، میں تو کچھ بھی نہیں ہوں، ذرہ اور کوہ سب کچھ وہی ہے، استاد نے یہ خبر سنی، تو اور زیادہ اشتعال پیدا ہوا، اور سر منبر کہدیا کہ جو شخص ابوسعید کی مجلس میں جائیگا وہ بدنصیب یا مردود ہے، عین اسی شب کو خواب میں حضرت سرور کونین صلعم کی زیارت ہوئی، اس صورت کے ساتھ کہ حضور کہیں تشریف لئے جا رہے ہیں، عرض کیا کہ، قصد مبارک

کہاں کا ہے؟" ارشاد ہوا کہ "مجلس ابو سعید کا، کہ جو شخص وہاں حاضر نہ ہوگا مردود و بدنصیب ہے"
استاد گھبرا کر بیدار ہوئے، اور وضو کر کے شیخ کی مجلس میں حاضر ہوئے، یہاں پہونچکر شیخ کی ظاہری شان و شوکت دیکھکر پھر ایکبار بدگمانی پیدا ہوئی اور دل میں خطرہ گذرا کہ شیخ علم و فضل میں مجھ سے زائد نہیں، مرتبہ روحانی میں باہم دو برابر ہیں، پھر اسے یہ عز و اکرام کہاں سے حاصل ہے؟ شیخ کو از روئے کشف استاد کے اس خطرہ پر اطلاع ہوگئی، اور شب کے واقعات کا پتہ دینا شروع کیا، استاد کے تمام شکوک دور ہو گئے، اور طبیعت بالکل صاف ہو گئی، شیخ جب منبر سے اترے تو دونوں صاحب بغلگیر ہوئے، استاد ابو القاسم اپنے خیالات سے تائب ہوئے، ربط باہمی اتنا بڑھا کہ ایک روز اپنے قول کی تردید کی میں، سر منبر یہ فرمایا کہ:-

"جو شخص ابو سعید کی مجلس میں حاضر نہ ہو، مجور یا مطرود ہے"[1] حضرت عطارؒ ہی اس روایت کے بھی ناقل ہیں کہ استاد ابو القاسم سماع کے منکر تھے، ایک روز شیخ ابو سعیدؒ کی خانقاہ کے سامنے سے گذرے، اس وقت محفلِ سماع گرم تھی، استاد نے اپنے دل میں کہا کہ یہ لوگ جو اس قدر برہنہ سر و برہنہ پا ناچے ناچے پھرتے ہیں، شریعت میں انکا ثقہ ہونا مستند نہیں، اور ان کی گواہی کا اعتبار نہیں، شیخؒ نے اسی وقت ایک شخص کو دوڑایا کہ استاد سے پوچھو کہ ہم کو کب تم نے بہ حیثیت گواہ دیکھا تھا، کہ گواہی کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کا سوال پیدا ہوا"

(۲) تصنیف

کتاب کا پورا نام رسالۃ القشیریہ فی علم التصوف ہے، سالِ تالیف حسب تصریح حضرت مؤلف ۴۳۸ھ ہے[2]، رسالہ کے مخاطب اصلی ممالک اسلامیہ کی معاصر جماعت صوفیہ ہے[3]

---

[1] تذکرۃ الاولیاء جلد ۲ صفحہ ۳۲۲-۳۲۳ پوری حکایت طویل ہے یہاں مختصر درج کی گئی [2] رسالہ قشیریہ ص۲ مطبوعہ مصر [3] ایضاً

جس کے ارکان کے نام یہ رسالہ گویا (بہ اصطلاح موجودہ) بطور کھلے خط کے شایع کیا گیا ہے چنانچہ مخاطبین سے اکثر صیغہ جمع حاضر میں خطاب ہے۔ غرض تصنیف یہ بیان کی ہے کہ صوفیہ متقدمین دنیا سے رخصت ہو چکے، ان کے طریقہ بھی ان کے ساتھ ناپید ہو گئے، اب بجائے اُن کے جو لوگ ان کی نیابت کے مدعی ہیں، ان پر حرص و ہوا غالب ہے، وہ مجاہدات و عبادات کے تارک ہیں، اور غفلت و شہوت میں مبتلا۔

اعلموا رحمکم اللّٰہ ان المحققین من ہذہ الطائفۃ انقرض اکثرہم ولم یبق فی زماننا من ہذہ الطائفۃ الا اثرہم ...... حصلت الفترۃ فی ہذہ الطریقۃ لا بل اندرست الطریقۃ بالحقیقۃ مضی الشیوخ الذین کانوا بہم اہتداء و قل الشباب الذین کان لہم بسیرتہم وسنتہم اقتداء و زال الورع وطوی بساطہ واشتد الطمع وقوی رباطہ وارتحل عن القلوب حرمۃ الشریعۃ فعدوا قلۃ المبالاۃ بالدین اوثق ذریعۃ ورفضوا التمییز بین الحلال والحرام ودانوا بترک الاحترام وطرح الاحتشام واستخفوا باداء العبادات واستھانوا بالصوم والصلوٰۃ ورکضوا فی میدان الغفلات ورکنوا الی اتباع الشھوات۔[1]

جب ان نام نہاد صوفیہ کی اخلاقی پستی حد سے گزر گئی، عبادت و طاعات میں انہماک کے بجائے ان کے ساتھ استخفاف شروع ہو گیا، شریعت کے اتباع کے بجائے اس کی خلاف ورزی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھنے لگے، روحانیت سے کوئی واسطہ نہ رہا، اور سر تا سر نفسانیت غالب آگئی، تو مخالفین کو حقیقت تصوف سے انکار اور معترضین کو مسلکِ حقیقت پر اعتراض کے مواقع کثرت سے ملنے لگے، ایسی حالت میں مصنف کو ضروری معلوم ہوا کہ اس جماعت کی خدمت میں ایک رسالہ پیش کیا جائے جس میں سلف کے صوفیہ صافیہ کے حالات کا بیان اور ان کے اخلاق، عبادات، عقائد، معاملات وغیرہ کا ذکر ہو۔

[1] رسالہ قشیریہ ص ۱ مطبوعہ مصر

فعلقت هذه الرسالة اليكم اکرمکم الله وذکرت فیها بعض سیر الشیوخ هذه الطریقة فی آدابهم واخلاقهم ومعاملاتهم وعقائدهم وبعض ما اشاروا الیه من مواجیدهم وکیفیة ترقیهم من بدایتهم الی نهایتهم لتکون لمریدی هذه الطریقة قوة۔

یہ حال پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں حضرات صوفیہ کا تھا، اس معیار سے اگر دور موجودہ کے اکثر مدعیانِ فقر وتصوف کے اعمال وافعال پر نظر کیجائے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کن الفاظ میں اظہار رائے کرنا پڑیگا!

مطبوعہ رسالہ چوڑی تقطیع اور باریک ٹائپ کے ۱۸۲ صفحہ پر آیا ہے۔

ابتدا کے چند صفحات (۲-۷) اصولِ توحید ومسائلِ توحید کے بارے میں متقدمین کے اقوال منقولہ کی نذر ہیں۔

باب اول کا عنوان فی ذکر المشائخ هذه الطریقة وما یستدل من سیرهم واقوالهم علی تعظیم الشریعة ہے، اس کے ذیل میں کچھ اوپر ۸۰ بزرگوں کا تذکرہ ہے، جن میں ہر ایک اپنے ملک اور زمانہ میں تصوف کا رکن رکین ہوا ہے، مثلاً ابراہیم ادھم، فضیل عیاض، ذوالنون مصری، معروف کرخی، سہل تستری، سری سقطی، بایزید بسطامی، یحییٰ معاذ رازی، شقیق بلخی، جنید بغدادی وغیرہم رحمہم اللہ۔ کتاب کا یہ طویل ترین باب ہے، جو ص ۹ سے لے کر ص ۱۳۱ تک آیا ہے۔

آغاز باب میں لفظ تصوف وطریقۂ تصوف کی تاریخ چند لفظوں میں بیان کی ہے۔

ان المسلمین بعد رسول الله صلعم لم یتسم افاضلهم فی عصرهم بتسمیة علم

رسول اللہ صلعم کے زمانہ کے معاصر مسلمان کے لئے سب سے زیادہ پر فخر وافضل لقب صحابی کا ہو سکتا تھا، چنانچہ

سوى صحبة رسول الله صلعم، إذ لا فضيلة فوقها فقيل لهم الصحابة، ولما أدركهم أهل العصر الثاني سمي من صحب الصحابة التابعين ورأوا ذلك أشرف سمة، ثم قيل لمن بعدهم أتباع التابعين، ثم اختلف الناس وتباينت المراتب فقيل لخواص الناس ممن لهم شدة عناية بأمر الدين الزهاد والعباد، ثم ظهر البدع وحصل التداعي بين الفرق فكل فريق ادعوا أن فيهم زهادا، فانفرد خواص أهل السنة المراعون أنفاسهم مع الله تعالى الحافظون قلوبهم عن طوارق الغفلة باسم التصوف واشتهر هذا الاسم لهؤلاء الأكابر قبل

[illegible]

کی تبع اس وقت کے افضل موسوم ہوئے، اس کے بعد جب دوسری نسل پیدا ہوئی تو ان صحابیوں کی صحبت اٹھانے والے تابعین کی اصطلاح چلی، اور ان کی آنکھیں دیکھنے والے تبع تابعین کہلائے، اس کے بعد جب قوم زیادہ پھیلی اور طرح طرح کے لوگ پیدا ہونے لگے تو جن لوگوں کو امور دین میں زیادہ غلو و انہماک ہوا انہیں زہاد و عباد کہا جانے لگا لیکن جب بدعتوں کا ظہور ہوا اور فرقہ فرقہ الگ ہوگئے تو ہر فرقہ اس کا مدعی بن بیٹھا کہ زہاد و عباد اسی میں ہیں، اس وقت اہل سنت کے طبقۂ خاص نے جو ذکر الٰہی میں مشغول اور غفلتوں سے دور رہتا تھا، اپنے لئے اہل تصوف کی اصطلاح قائم کی، اور ہجرت کو ابھی دو صدیاں نہیں ہوئی تھیں کہ یہ لقب اس طبقۂ خواص کے اکابر کے لئے مخصوص ہوگیا۔

ذیل میں اکابر طریقت کی چند حکایات و اقوال نقل کئے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہوسکے گا کہ ان حضرات کے نزدیک تصوف کی ماہیت کیا تھی، اور اسے موجودہ مشایخ اور پیرزادوں کی رسوم پرستی سے کچھ بھی علاقہ تھا۔

حضرت بشر حافی جس پایہ کے امام طریقت گذرے ہیں سب کو معلوم ہے، ان کے متعلق یہ واقعہ درج ہے:

قال رأيت النبي صلعم في المنام فقال لي

حضرت بشر حافیؒ کو خواب میں حضرت رسول خدا صلعم

یا بشر تدری بم رفعک اللہ من بین اقرانک قلت لا یا رسول اللہ قال باتباعک سنتی وخدمتک للصالحین ونصیحتک لاخوانک ومحبتک لاصحابی واھل بیتی، ھو الذی بلغک منازل الابرار، (ص۱)

کی دولت زیارت نصیب ہوئی، ارشاد ہوا اے بشر تجھے معلوم ہے کہ خدا نے تیرے معاصرین میں تیری اس قدر عزت افزائی کس بنا پر فرمائی، عرض کیا کہ نہیں معلوم، ارشاد ہوا کہ میری سنت کی اتباع، صالحین کی خدمتگزاری اپنے بھائیوں کی خیر اندیشی، اور میرے اصحاب و اہل بیت کے ساتھ محبت کی بنا پر یہی چیزیں ہیں جنھوں نے تجھے ابرار کے مرتبہ پر فائز کرایا،

حضرت بایزید بسطامیؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ اس مرتبہ تک کیونکر پہونچے، ارشاد ہوا بھوکے پیٹ اور ننگے بدن کے ذریعہ سے،[2] انھیں بایزید کو، باوجود شورش و سرمستی، اتباع سنت میں اس قدر غلو تھا، کہ خود فرماتے ہیں، کہ ایک بار میں نے خدا سے دعا کرنا چاہی، کہ میرے لئے خواہش طعام و خواہش نساء کو مردہ کردے مگر معاً یہ خیال آیا کہ جس شے کو حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے لئے نہیں طلب کیا میں اسے کیونکر طلب کروں، اور اس دعا سے باز رہا، اس احترام سنت نبوی کا صلہ یہ ملا کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے از خود خواہش نساء کو میرے لئے اس قدر مردہ کردیا ہے کہ میرے نزدیک عورت و دیوار دونوں برابر ہیں،[3]

حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ ہر صبح شیطان مجھ سے سوال کرتا ہے، کہ تیرا کھانا کیا ہے، لباس کیا ہے، اور سکونت کہاں ہے، میں جواب دیتا ہوں کہ "میری غذا موت ہے، میرا لباس کفن ہے اور میرا مسکن قبر ہے،"[4] انھیں بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو خواہشات نہیں پیدا ہوتیں؟ جواب دیا کہ میری سب سے بڑی خواہش یہ رہتی ہے کہ رات تک دن خیریت سے گذر جائے

[1] رسالہ قشیری مطبوعہ مصر ص ۱۰، [2] ایضاً، [3] ایضاً ص ۱۷،

لوگوں نے کہا، کہ دن تو خیریت سے گذر تے ہی رہتے ہیں، ارشاد ہوا کہ میں خیریت اسے کہتا ہوں کہ اس روز معاصی الٰہی کا ارتکاب نہ ہو[1]،

شیخ ابوالحسن احمد حواریؒ سے منقول ہے کہ اتباعِ سنت نبوی سے باہر ہو کر کوئی سا بھی عمل کیا جائے، باطل ہو گا[2]،

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے اقوالِ ذیل، دورِ حاضرہ میں خصوصیت کے ساتھ قابلِ توجہ و مستحقِ غور ہیں:۔

،،ہم نے تصوف کو قیل و قال کے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا، بلکہ گرسنگی ترکِ دنیا، اور مرغوب و خوشگوار اشیاء کے ترک سے حاصل کیا ہے[3]،،

،،خلق پر تمام راستہ مسدود کر دیئے گئے ہیں، بجز اس کے کہ سنت نبوی کے نقشِ قدم پر چلا جائے[4]،،

ہمارا سارا طریقہ کتابِ الٰہی و سنتِ رسول کا پابند ہے[5]،،

،،جو شخص حافظِ کلام الٰہی و عالمِ احادیث رسول نہیں، اس کی تقلید دربارۂ طریقت درست نہیں، اس لئے کہ ہمارے اس سارے علم (سلوک) کا ماخذ قرآن و حدیث ہے[6]،،

شیخ داؤد رقیؒ کا قول تھا کہ دنیا میں سب سے کمزور وہ شخص ہے، جو اپنی شہوات کے ضبط پر نہ قدرت رکھتا ہو، اور سب سے زیادہ طاقتور وہ ہے، جو اس پر قدرت رکھتا ہے، اور خدا سے محبت رکھنے کی علامت یہ ہے کہ اس کے طاعات کو اختیار کیا جائے، اور اس کے رسول کا اتباع کیا جائے[7]،

اسی طرح جس قدر حکایات و اقوال نقل کئے ہیں، ان کا بیشتر حصہ تعلیم شریعت علم قرآن و حدیث، اتباعِ سنت نبوی، ترکِ لذات، قطعِ علائق، و لزومِ مجاہدات و عبادات

---

[1] رسالہ قشیریہ مطبوعہ مصر صفحہ، [2] ایضاً صفحہ، [3] ایضاً صفحہ، [4] ایضاً [5] ایضاً صفحہ [6] ایضاً [7] ایضاً صفحہ

پر مشتمل ہے" ۔

(۲) باب دوم (ص۱۳۹) کا عنوان "فی تفسیر الفاظ تدور بین ہذہ الطائفۃ وبیان ما یشکل منہا" ہے۔ اس میں مصطلحاتِ تصوف کی توضیح و تشریح کی ہے، مثلاً وقت، مقام، حال، قبض و بسط، ہیبت و انس، تواجد، وجد و وجود، جمع و فرق، فنا و بقا، غیبت و حضور، صحو و سکر، ذوق و شرب، محو و اثبات، محاضرہ و مکاشفہ، قرب و بعد، شریعت و طریقت و حقیقت، نفس و نفس، علم الیقین، عین الیقین و حق الیقین، وارد و شاہد، روح و سر وغیرہ۔

نمونہ دکھانے کے لئے دو ایک تعریفات کے اقتباسات یہاں درج کئے جاتے ہیں:۔

المحو رفع اوصاف العادۃ والاثبات اقامۃ احکام العبادۃ فمن نفی عن احوالہ الخصال الذمیمۃ واتی بدلہا بالافعال والاحوال الحمیدۃ فہو صاحب محو واثبات (ص۴۱)

صفات عادی کے دور ہو جانے کا نام محو اور احکام عبادت کے قائم ہو جانے کا نام اثبات ہے پس جس نے اپنے احوال سے صفات بد کو دور کر دیا اور ان کے بجائے افعال و احوال حمیدہ پر قائم ہو گیا وہ صاحب محو و اثبات ہے۔

التلوین صفۃ ارباب الاحوال والتمکین صفۃ اہل الحقائق فما دام العبد فی الطریق فہو صاحب تلوین لانہ یرتقی من حال الی حال وینتقل من وصف الی وصف فخرج من مرحل وحصل فی مربع فاذا وصل تمکن، (ص۴۲)

تلوین اہل حال کی صفت ہے، اور تمکین اہل حقیقت کی۔ بندہ جب تک اثنائے راہ میں ہے برابر ایک حال سے دوسرے حال میں ترقی اور ایک وصف سے دوسرے وصف میں انتقال کرتا رہتا ہے، اور اس لئے صاحب تلوین کہلاتا ہے جب راہ سے نکل کر منزل وصل تک پہونچ جاتا ہے تو اسے تمکین حاصل ہو جاتی ہے۔

الشریعة امر بالتزام العبودیة والحقیقة مشاهدة الربوبیة، فکل شریعة غیر مؤیدة بالحقیقة فغیر مقبول، وکل حقیقة غیر مقیدة بالشریعة فغیر محصول (ص۴۳)

شریعت نام ہے التزام حکم عبودیت کا، اور حقیقت نام ہے مشاہدۂ ربوبیت کا، پس جس شریعت کو حقیقت کی تائید نہیں حاصل وہ غیر مقبول ہے، اور جو حقیقت مقید شریعت کی پابند نہیں، وہ بے حاصل ہے۔

اسکے بعد احوال، مقامات ومسائل تصوف سے متعلق جتنے مہمات عنوانات ہو سکتے ہیں، سب کے متعلق الگ الگ ایک باب باندھا ہے، اور اس پر کلام الٰہی، احادیث رسول صلعم اور اقوال سلف کی روشنی میں گفتگو کی ہے،

ان ابواب کی فہرست عنوانات حسب ذیل ہے، (ص۴۵-۱۵۱)

باب التوبہ، باب المجاہدہ، باب الخلوۃ والعزلۃ، باب التقوی، باب الورع، باب الزہد، باب الصمت، باب الخوف، باب الرجاء، باب الحزن، باب الجوع وترک الشہوہ، باب الخشوع والتواضع، باب مخالفۃ النفس، باب الحسد، باب الغیبۃ، باب القناعۃ، باب التوکل، باب الشکر، باب الیقین، باب الصبر، باب المراقبہ، باب الرضا، باب العبودیۃ، باب الارادۃ، باب الاستقامۃ، باب الاخلاص، باب الصدق، باب الحیاء، باب الحریۃ، باب الذکر، باب الفتوۃ، باب الفراسۃ، باب الخلق، باب الجود والسخا، باب الغیرۃ، باب الولایۃ، باب الدعاء، باب الفقر، باب التصوف، باب الادب، باب احکامہم فی السفر، باب الصحبۃ، باب التوحید، باب احوالہم عند الخروج من الدنیا، باب المعرفۃ باللہ، باب المحبۃ، باب الشوق، باب حفظ قلوب المشایخ، باب فی السماع۔

یہ تمام ابواب باوجود اختصار کے وصف جامعیت رکھتے ہیں، ان ابواب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اکثر کا آغاز قرآن کی کسی نہ کسی آیت سے ہوتا ہے، اور یہ امر گویا دلیل ہے مصنف کے اس دعویٰ کی کہ تصوف کا ماخذ کلام مجید ہی ہے، چند عنوانات کی آیات افتتاحی ملاحظہ ہوں،

باب الحزن، قال اللہ عز وجل وقالوا الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن،

باب التقوی، قال اللہ تعالیٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم

باب الیقین، قال اللہ تعالیٰ والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من

قبلک وبالاٰخرۃ ھم یوقنون

باب الصبر، قال اللہ تعالیٰ واصبر وما صبرک الا باللہ

باب الفتوۃ، قال اللہ تعالیٰ انھم فتیۃ اٰمنوا بربھم وزدنٰھم ھدی

باب الحیا، قال اللہ تعالیٰ الم یعلم بان اللہ یری،

آیات قرآنی کے بعد احادیث نبوی کو رکھا ہے، اور جن ابواب سے متعلق آیات قرآنی درج نہیں کی ہیں، انھیں احادیث سے شروع کیا ہے، اور یہ اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ کلام خدا کے بعد تصوف کا دوسرا ماخذ کلام رسول ہے، کتاب کے ۵۱ ابواب یہاں ختم ہو جاتے ہیں

(۵۲) باب اثبات کرامات الاولیاء (ص۱۵۸ تا ۱۶۵) یہ باب متعدد فصول میں منقسم ہے، جن میں وقوع کرامت کے امکان، شرائط وغیرہ پر بحث و گفتگو ہے،

(۵۳) باب رؤیا القوم (ص۱۶۵ تا ۱۸۰) اس میں ماہیت نوم، رؤیا، صالحہ، پریشان خوابی و مسائل متعلقہ پر تفصیلی بحث ہے،

(۵۴) باب وصیۃ للمریدین، (ص۱۸۰ و ۱۹۲) کتاب کا سب سے آخری باب ہے، اور اس لحاظ سے بہت اہم بھی ہے، کہ بخلاف ابواب سابقہ کے جنھیں مصنف علیہ الرحمہ نے عموماً صرف نقل اقوال و حکایات پر اکتفا کی ہے، اس باب میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر مریدین و طالبین کے لئے کچھ نصائح بھی تحریر کی ہیں جنھیں کتب تصوف کا دستور العمل کہنا چاہیے،

یہ باب متعدد چھوٹی چھوٹی فصلوں پر تقسیم ہے، اور ہر فصل میں کسی اہم حقیقت، یا نصیحت

کو مختصر الفاظ میں قلمبند کر دیا ہے، چند نمونہ ملاحظہ ہوں،

(الف) تصوف کی ساری بنیاد اس پر ہے کہ آداب شریعت کی پابندی رہے، حرام و مشتبہ چیزوں سے دستکشی کی جائے، ناجائز اوہام و خیالات سے حواس کو آلودہ نہ ہونے دیا جائے اور غفلتوں سے بچ کر خدائے تعالیٰ کی یاد میں وقت گزاری کیجائے،

وبناء هذا الامر ومداره على حفظ آداب الشريعة وصون اليد عن المد الى الحرام والشبهة وحفظ الحواس عن المحظورات وعد الانفاس مع الله تعالى عن الغفلات ص۱۵۵

(ب) مرید کو ترکِ شہوات کے مجاہدہ میں دوام مشغول رہنا چاہئے، خواہشوں کی پابندی اور پاکیزگی روح کا ساتھ ہو نہیں سکتا، اور مرید کے لئے اس سے بدترین کوئی بو نہیں سکتی، کہ جس خواہش کو خدا کے لئے چھوڑ چکا ہے، اس کی جانب پھر رجوع کرے،

ومن شأن المريد دوام المجاهدة في ترك الشهوات فان من وافق شهوته عدم صفوته واقبح الخصال للمريد رجوعه الى شهوة تركها لله تعالى (ایضاً)

(ج) طالب کو اس کی بڑی احتیاط چاہئے، کہ ایک مرتبہ جس بات کا عہد خداوند تعالیٰ سے کرلے، اسے نہ توڑے، طریقت میں نقضِ عہد کا وہی درجہ ہے، جو شریعت میں ارتداد عن الدین کا ہے،

ومن شأن المريد حفظ عهده مع الله تعالى فان نقض العهد في طريق الارادة كالردة عن الدين لاهل الظاهر، (ایضاً)

(د) طالب کو لازم ہے، کہ دامانِ آرزو کو بہت نہ پھیلائے، فقیر کو صرف حال سے سروکار رکھنا چاہئے، مستقبل کے متعلق خیالی پلاؤ پکاتے رہنا، اس کے لئے موزوں نہیں،

ومن شأن المريد قصر الأمل فإن الفقير ابن وقته فإذا كان له تدبير في المستقبل وتطلع لغير ما هو فيه من الوقت وأمل فيما يستأنفه لا يجيء منه شيء (ص [illegible])

(ھ) طالب کو یہ نہ چاہیئے کہ مشائخ کے معصوم ہونے کا عقیدہ رکھے، البتہ ان سے حسن ظن رکھنا واجب ہے۔

ولا ينبغي للمريد أن يعتقد في المشائخ العصمة بل الواجب أن يذرهم وأحوالهم فيحسن بهم الظن ويراعي مع الله تعالى حده فيما يتوجه عليه من الأمر والعلم كاف في التفرقة بين ما هو محمود وما هو معلول (ص [illegible])

(و) اہل دنیا کی صحبت سے طالب کو ہر طرح بچنا چاہیئے، اور اسے اپنے حق میں زہر قاتل سمجھنا چاہیئے، زاہد تقرب الٰہی کے لئے مال کو اپنے پاس سے دور کرتے رہتے ہیں، اور صوفی تحقق الٰہی کی غرض سے خلائق سے اپنے قلب کو خالی کرتے رہتے ہیں۔

ومن شأن المريد التباعد عن أبناء الدنيا فإن صحبتهم سم مجرب لأنهم ينتفعون به وهو ينتقص بهم قال الله تعالى ولا تطع من أغفلنا قلبه عن ذكرنا وإن الزهاد يخرجون المال عن الكيس تقربا إلى الله تعالى وأهل الصفاء يخرجون الخلق والمعارف من القلب تحققا بالله تعالى (ص [illegible])

(ز) اسی سلسلہ میں حضرت مصنفؒ ایک اور "سخت ترین خطرۂ راہ" (اصعب الآفات في هذه الطريقة) سے بھی متنبہ کرتے ہیں، جس کی تبلیغ دورِ موجودہ میں، ہر صاحب سجادہ کے آستانہ پر، ہر خانقاہ نشین کے دروازے پر ضروری ہے، لیکن اسے اردو میں نقل کرنا شاید اکثروں کی آنکھیں نیچی ہو جانے، اور چہرہ پر ندامت کی سرخی دوڑنے کا باعث ہو، بہتر ہوگا کہ اصل مضمون کا مطالعہ متنِ کتاب میں کیا جائے یہاں صرف آغاز

کی دو سطریں درج کیجاتی ہیں:۔

ومن اصعب الآفات فی هذه الطریقة صحبة الاحداث ومن ابتلاه الله تعالیٰ بشیء من ذالك فباجماع الشیوخ ذلك عبد اهانه الله عزوجل وخذله بل عن نفسه شغله ولو بالف الف کرامة اهله وهب انه بلغ رتبة الشهداء الخ (ص۱۸۸)

باب (۴)

فتوح الغیب

(شیخ عبد القادر جیلانی محبوب سبحانیؒ)

اگر یہ سوال کیا جائے، کہ صوفیہ کرام کے مختلف سلاسل و طبقات میں شہرت و مقبولیت سب سے زیادہ کس بزرگ کے حصہ میں آئی ہے، تو اس کے جواب میں جو نام نامی متفقہ طور پر سب کی زبانوں پر آئیگا، وہ غالباً حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ کا ہوگا، دوسرے اکابر کی شہرت عموماً اپنے اپنے حلقوں تک محدود ہے، حضرت شیخ جیلانیؒ کا اسم گرامی، حدود سلسلۂ قادریہ سے متجاوز ہو کر ہر حلقہ، ہر سلسلہ، ہر طبقہ کے عوام و خواص کی زبان پر مختلف اسماء و القاب کے ساتھ جاری ہے، آپ کا زمانہ دور قدماء کا آخر زمانہ تھا، اس لئے بھی آپ کے ارشادات خصوصیت کے ساتھ مستحق توجہ و غور ہیں۔

(۱) مصنف[1]

اسم مبارک عبد القادر تھا، ابو محمد کنیت تھی، محی الدین لقب تھا، متاخرین نے فرط

---

[1] حضرت کے حالات و مناقب کثیر التعداد تذکروں اور تالیفات میں مندرج ہیں لیکن اکثر مکررات ہیں یعنی ایک دوسرے سے ماخوذ و منقول ہیں، میرے پیش نظر اس وقت ماخذ ذیل ہیں۔ (۱) نفحات الانس جامی، (۲) سفینۃ الاولیاء دارا شکوہ، (۳) نشر المحاسن الغالیہ فی فضل مشائخ الصوفیہ امام عبد اللہ یافعی، (۴) اخبار الاخیار شیخ عبد الحق محدث دہلوی، (۵) قلائد الجواہر فی مناقب شیخ عبد القادر، محمد بن یحییٰ مصری، جس کا اردو ترجمہ رحمت جاودانی کے نام سے لاہور میں چھپ چکا ہے (۶) طبقات الکبریٰ شیخ عبد الوہاب شعرانیؒ جس کا ترجمہ "نعمت عظمیٰ" کے نام سے آگرہ میں چھپ چکا ہے۔

عقیدت سے متعدد القاب کا اضافہ کردیا، محبوبِ سبحانی غوث اعظم قطبِ ربانی، وغیرہ، سلسلۂ نسب جدی امام حسن رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے اور سلسلۂ مادری امام حسین رضی اللہ عنہ تک اس لئے نام کے ساتھ سید حسنی وحسینی لکھا جاتا ہے، سایۂ پدری بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا،

ولادت باختلافِ روایات ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ میں ہوئی، مولد جیلان ہے، جو نواحِ طبرستان میں ایک قصبہ کا نام ہے، اور جس کے دوسرے نام گیل جیل وگیلان بھی ہیں، سالِ وفات بالاتفاق ۵۶۱ھ ہے، عمر شریف نوّے سال کی ہوئی، ماہ ربیع الثانی بھی سب کو مسلّم ہے، تاریخ میں البتہ سخت اختلاف ہے، ۹، ۱۰، ۱۱ اور ۱۳ و ۱۷ مختلف روایات منقول ہیں، دارا شکوہ کی تحقیق میں قولِ اصح ۹ ربیع الثانی ہے، اٹھارہ سال کی عمر میں بغداد تشریف لائے، عمر کا بیشتر حصہ یہیں گذرا، یہیں وصال فرمایا، یہیں مدفون ہوئے،

سلسلۂ تعلیم میں سب سے پہلے قرآن کو حفظ کیا، پھر ادب، فقہ، وحدیث کی باضابطہ تحصیل وتکمیل اپنے زمانہ کے اساتذۂ کاملین سے کی، وسعتِ نظر وتبحر علمی کی شاہد خود آپ کی تصانیف غنیۃ الطالبین وفتوح الغیب ہیں، مسائل فقہیہ میں مذہب حنبلی رکھتے تھے، تدریس، افتاء و وعظ کے مشاغل سالہا سال تک جاری رہے، اور ایک بڑے گروہ نے علوم ظاہری میں تلمذ حاصل کیا، استفتاء دور دور سے آتے رہتے، آپ برجستہ جوابات تحریر کراتے،

طریقۂ باطنی کی تعلیم شیخ حماد، قاضی ابوسعید مبارک مخزومی، اور شیخ ابویعقوب یوسف ہمدانی سے پائی، پیر خرقہ قاضی ابوسعید مخزومی تھے، پیر صحبت شیخ حماد تھے، نسبتِ ارادت براہ راست، سرورِ عالم صلعم سے تھی، انوار فیوض کا نزول براہ راست سرکارِ رسالت صلعم سے ہوتا تھا

تذکروں میں کرامت وخرقِ عادت کے واقعات اس کثرت سے منقول ہیں کہ شاید کسی دوسرے بزرگ کے نہ ہوں، امام یافعی کہتے ہیں، کہ شیخ موصوف کی کرامات کی تعداد حدِ شمار

سے افزوں ہے، اکثر پایۂ تواتر کو پہونچی یا تقریباً پہونچی ہوئی ہیں، دارا شکوہ کے الفاظ میں:

"اگر آنچہ از آنحضرت در ایام حیات بظہور رسیدہ و آنچہ الحال نیز مشاہدہ نمودہ می شود جمع کنم کتاب کلانے می شد"

شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ایک معاصر بزرگ شیخ علی بن ہیتی کی شہادت نقل کرتے ہیں:-

"ندیدم ہیچ یکے از اہل زمان خود را اکثر الکرامات از شیخ عبد القادر ہر وقت ہر کہ از ما خواہد کہ از وے کرامتے مشاہدہ کند میکند، و خوارق ظاہر گردد، گاہے از وے، گاہے در وے، وگاہے بوسے"

والدۂ ماجدہ کا بیان ہے کہ تولد ہوتے ہی احکام شریعت کا یہ احترام تھا، کہ رمضان بھر دن میں دودھ نہیں پیتے تھے، ایک مرتبہ ۲۹ شعبان کو ابر کے باعث چاند نہ دکھائی دیا، دوسرے روز اس ولی مادر زاد نے دودھ نہیں پیا، بالآخر تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس روز یکم رمضان تھی۔

بچپن کا زمانہ تھا، آبادی کے باہر کھیل رہے تھے، ایک گائے کی دم پکڑ کر کھینچی، اس نے پلٹ کر یہ کلام کیا، کہ "اے عبد القادر! اس غرض سے دنیا میں نہیں بھیجے گئے ہو"، متأثر اسے چھوڑ دیا، دل پر ہیبت طاری ہوئی، مکان آکر بالا خانہ سے دیکھا تو میدان عرفات میں حاجیوں کی قطاریں نظر آئیں، والدہ ماجدہ سے آکر عرض کی، کہ راہِ خدا طے کرنے کی اجازت دیجئے، بغداد جاکر تحصیل علم کروں، انھوں نے سبب پوچھا کل واقعہ ان سے بیان کیا، ان نیک خاتون پر رقت طاری ہوئی، اٹھ کر گئیں، ایک تھیلی لاکر فرزند نامدار کے ہاتھ میں دیدی، اور فرمایا کہ:-

"بیٹا تمھارے والد مرحوم کل اسی دینار چھوڑ گئے تھے، چالیس کی امانت تمھارے بھائی

کے لئے محفوظ ہے، یہ چالیس اشرفیاں امانت ہوں، میری نصیحت و وصیت جو کچھ کہنی ہے، کہ راستی
کو کسی حالت میں کبھی نہ چھوڑنا، بیٹا! تمہیں خدا کو سونپا، اب قیامت کے دن دیکھنے کو ملو گے"

راستہ میں ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ کیا، ہر شخص مال چھپانے اور جان بچانے کی فکر میں ہوا
مگر اس سعادت مند فرزند اور خدا کے برگزیدہ بندہ نے صاف صاف اپنے پاس کی مالیت
کو بیان کر دیا، قزاق راستبازی کی اس معجزنمائی سے حیران ہو گئے، بالآخر اپنے پیشہ سے
تائب ہو کر داخل بیعت ہوئے،

منزل صدق میں اسی قیام و استقامت کا نتیجہ تھا، کہ آگے چل کر وہ مرتبہ اعلیٰ حاصل ہوا
جو مقام صدیقیت کے لئے مخصوص ہے، اور جو رہروں کے لئے تو کیا، اچھے اچھے رہبروں اور بڑے
بڑے رہنماؤں تک کے لئے باعث رشک ہو، فرماتے تھے کہ جب تک پینے کا حکم نہیں ملتا ہے
نہیں پیتا ہوں، جب تک کھانے کا حکم نہیں ملتا ہے، نہیں کھاتا ہوں، جب تک بولنے کا حکم
نہیں ملتا ہے نہیں بولتا ہوں،

تصانیف متعدد چھوڑیں جنہیں مندرجہ ذیل یا خود موجود ہیں، یا ان کے نام دوسری
کتابوں میں محفوظ ہیں،

(۱) غنیۃ الطالبین، فقہ کی مشہور کتاب ہے، ہندوستان و مصر میں چھپ چکی ہے۔
(۲) فتوح الغیب، فن سلوک پر،
(۳) الفتح الربانی معروف بہ شش مجالس، مجموعہ مواعظ۔
(۴) جلاء الخاطر،
(۵) یواقیت والحکم
(۶) الفیوضات الربانیہ فی الاوراد القدسیہ

یہ سب نام پروفیسر مارگولیتھ نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں آرٹیکل عبد القادر محی الدین جیلانی کے تحت میں درج

(۷) حزب بشائر الخیرات } کئے ہیں،
المواہب الرحمانیہ والفتوح الربانیہ }

یہ تمام تصانیف، بہ قول مارگولیتھ کے مصنف کے فضل و کمال تفقہ فی الدین، و تبحر شریعت پر شاہد عادل ہیں،

بادشاہوں سے ہدیہ نہیں قبول فرماتے تھے، ان کے علاوہ، اگر کوئی شخص تحفہ لاتا، قبول فرما لیتے، اور اسی وقت حاضرین میں تقسیم کر دیتے، ایک روز خلیفۂ وقت مستنجد باللہ نے حاضر ہو کر اشرفیوں کے دس توڑے پیش کیے، حسب معمول انکار فرمایا، ادھر سے اصرار شدید ہوا، حضرت نے ایک توڑا اپنے داہنے ہاتھ اور ایک بائیں ہاتھ میں اٹھا کر دونوں کو رگڑا، تو اشرفیوں سے خون بہنے لگا، خلیفہ سے ارشاد ہوا، کہ اللہ سے شرم نہیں آتی، کہ انسان کا خون کھاتے ہو، اور اسے جمع کر کے میرے پاس لاتے ہو، خلیفہ پر اتنا اثر پڑا کہ غش کی نوبت آگئی،

عادت مبارک خلیفۂ وقت یا کسی صاحب ثروت کے ہاں جانے کی نہ تھی، اور نہ کبھی امرا کی تعظیم فرماتے، جب خلیفہ کی آمد سنتے اٹھ کر مکان کے اندر چلے جاتے، اور پھر باہر نکل کر آتے تاکہ خلیفہ کی تعظیم کے لئے اٹھنا نہ پڑے، جب خلیفہ کے نام نامۂ مبارک کی ضرورت پیش آتی، تو یوں تحریر فرمایا جاتا، کہ "یہ عبد القادر کا تجھ سے ارشاد ہے، اور اس کا ارشاد تیرے اوپر نافذ ہے" خلیفہ ان تحریروں کو سر اور آنکھوں پر جگہ دیتا،

صحیفۂ زندگی کی ایک ایک سطر احکام شرعیہ کے مطابق تھی، مکتوبات و مواعظ کا ایک ایک لفظ آیات کلام مجید سے مستند و مستنبط ہوتا تھا، تعلیمات میں سب سے زیادہ زور پابندیِ شریعت و اتباع سنت پر تھا، وصال سے ذرا پہلے اکابر مشایخ عصر کا مجمع تھا، بڑے صاحبزادے شیخ سیف الدین عبد الوہاب نے عرض کی، کہ حضرت کچھ وصیت فرمائیے، جواب میں ارشاد ہوا:-

علیک بتقوی اللہ وطاعتہ ولا تخف احدًا ولا ترج وکل الحوائج الی اللہ واطلبہا منہ ولا تثق باحد سوی اللہ خذ التوحید التوحید اجماع الکل،

خدا کے تقویٰ اور طاعت کو اپنے اوپر لازم رکھو، بجز خدا کے کسی سے خوف یا امید نہ رکھو، تمام حاجات کو خدا ہی کو سونپ دو، اور اسی سے طلب کرتے رہو، بجز خدا کے کسی پر اعتماد نہ رکھو، لازم رکھو اپنے اوپر توحید کو، توحید کو، توحید کو کہ اسی پر سب کا اجماع ہے،

کثرتِ عبادات وریاضات کا اندازہ ان روایات سے کیا جاسکتا ہے، کہ چالیسؒ سال تک عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا کی، پندرہ سال تک یہ معمول رہا کہ بعد عشاء پورا کلام مجید ختم فرماتے تھے، پچیسؒ سال تک صحراؤں میں اس تنہائی کے ساتھ بسر کی، کہ انسان کی شکل بھی نہیں دیکھی،

سالہا سال کی عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خود بیان فرماتے ہیں، کہ ایک بار مجھے بہت بڑا نور نظر آیا، جو دیکھتے دیکھتے سارے افق پر چھا گیا اور اس میں سے آواز آئی کہ اے عبد القادر! میں تمہارا پروردگار ہوں، میں نے تمہارے لئے حرام چیزوں کو حلال کر دیا، میں نے لاحول ولا قوۃ پڑھکر کہا کہ ”دور ہو ملعون“ بس وہ نور تاریکی میں گیا، اور اس میں سے آواز آئی کہ عبد القادرؒ تم اپنے علم کی قوت سے مجھ سے بچ گئے، ورنہ میں تمہارے مثل ستر کاملوں کو گمراہ کر چکا ہوں“ میں نے کہا، کہ ملعون تو اب بھی مجھے گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے، کہتا ہے، کہ تم اپنے علم کی قوت سے بچ گئے، حالانکہ مجھے بچانے والی میری کوئی قوت نہیں محض اللہ کا فضل وکرم ہے،

(۲) تصنیف

آج سے ساڑھے تین سو سال اوپر فتوح الغیب دنیا کے لئے پردۂ غیب میں تھی، شیخ سیف الدین عبد الحق محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) جب فریضۂ حج ادا کرنے گئے، تو مکۂ معظمہ

میں شیخ عبدالوہاب متقی قادری کے ہاں ایک نسخہ اس کتاب کا ان کی نظر سے گذرا ہندوستان واپس آئے تو ایک دوسرا نسخہ یہاں بھی نظر آیا، اس کا انھوں نے فارسی میں ترجمہ کیا، اور مفتاح الفتوح کے نام سے شرح لکھی، فتوح الغیب کا موجودہ مطبوعہ نسخہ شیخ عبدالحق ہی کی تہذیب و ترتیب دیئے ہوئے نسخہ کی نقل ہے جو ان کی شرح کے ساتھ لاہور و لکھنؤ میں شایع ہو رہا ہے،

کتاب حمد و نعت کے علاوہ، اٹھتر مختصر مقالات میں تقسیم ہے، آخر میں چند اوراق مصنف علیہ الرحمہ کے حالات، مرض الموت و وفات وغیرہ سے متعلق مرتب نے اضافہ کئے ہیں،

(۱) مقالۂ اول، تعمیلِ اوامر و اجتنابِ نواہی، و رضا بالقضاء پر ہے، (ص۱) فرماتے ہیں کہ:-

لابد لکل مومن فی سائر احوالہ من ثلثۃ اشیاء امر یمتثلہ ونھی یجتنبہ وقدر یرضی بہ فاقل حالۃ لا یخلو المومن فیھا من احد ھذہ الاشیاء الثلثۃ الخ۔	ہر مومن کے لئے ہر حال میں یہ تین چیزیں لازمی ہیں، ایک یہ کہ وہ امر الٰہی کی تعمیل کرتا رہے، دوسرے یہ کہ منہیات سے بچتا رہے، تیسرے قضاء و قدر الٰہی پر راضی رہے، پس مومن کے لئے کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ کسی حالت میں وہ ان تینوں چیزوں سے خالی نہ ہو،

(۲) مقالۂ دوم، اتباعِ سنت و ترکِ بدعت (ص۱-۲) پر ہے، اس کا یوں آغاز فرماتے ہیں:-

اتبعوا ولا تبتدعوا واطیعوا ولا تمرقوا و وحدوا ولا تشرکوا ویفعل اللہ ما یشاء	پیروی سنت کرتے رہو، اور راہ بدعت نہ اختیار کرو، اطاعت کرو، اور دائرۂ اطاعت سے باہر نہ

وعلیکم ما یرید وتزھو الحق ولا تتھمو او	آؤ، توحید خداوندی کو مانو، اور کسی کو اس کا شریک
صدقوا ولا تشکوا واصبروا ولا تجزعوا	نہ بناؤ، کہ وہی جو کچھ چاہتا ہے اپنی مشیت و ارادہ سے
واجتمعوا علی الطاعۃ ولا تفرقوا ،	کرتا ہے، خداوند تعالیٰ کو ہر نقص و عیب سے پاک سمجھو
	اور اس پر تہمت نہ لگاؤ، اس پر اعتماد رکھو اور شک
	وگمان میں نہ پڑو، صبر سے کام لیتے رہو، اور بے صبری
	نہ کرو، طاعت حق پر جمع ہو، اور جماعت میں تفرقہ
	نہ ڈالو،

اس مقالہ میں یہ تعلیم بھی ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے اور غفلت کے دور کرنے میں تاخیر نہ کرو، اور شب و روز استغفارِ تقصیرات و رجوع الی اللہ کرنے کو اپنے اوپر بار نہ سمجھو،

(۳) مقالہ سوم، اس عنوان سے متعلق ہے کہ ابتلاء و مصائب سے بندہ کے لئے کیا مقصود ہوتا ہے، (صفحہ ۱۰) اس میں نہایت خوبی و صحت کے ساتھ سالک کی نفسیت کی تشریح کی ہے، فرماتے ہیں کہ انسان پر جب کسی قسم کا کوئی درد دکھ وارد ہوتا ہے تو سب پیشتر تو وہ اپنی ذاتی قوت و تدبیر سے اس کے دفع کی کوشش کرتا ہے، جب اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو خلق کی جانب رجوع کرتا ہے، مثلاً سلاطین، امراء، اہل ثروت وغیرہ، یا اگر بیمار ہے تو اطبا کی جانب جب اس میں بھی ناکام ہو چکتا ہے، تو پروردگار عالم کی درگاہ میں دعا و تضرع کے ذریعہ سے حاضر ہوتا ہے، انسان کی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے، کہ جب تک وہ خود دفع مضرت پر قادر ہے، خلق سے بے نیاز رہتا ہے، جب اپنے تئیں مجبور پاتا ہے، تو خلق کے سامنے دستِ اعانت دراز کرتا ہے، جب ادھر سے بھی سہارا نہیں رہتا تو خالق کے آستانہ پر جبینِ نیاز رگڑتا ہے اور نہایت خضوع و خشوع، الحاح و زاری کے ساتھ کبھی امیدوارانہ اور کبھی مایوسانہ دعا

میں مشغول ہو جاتا ہے جب خدا اس کو اس میں بھی ناکام رکھتا ہے اور اس کی دعا نہیں قبول کرتا تو رفتہ رفتہ اس کی نظر میں تمام اسباب بے حقیقت ہو جاتے ہیں، اور اسے انقطاع الی اللہ حاصل ہو جاتا ہے، اس وقت بندہ تمام تعلقات سے آزاد، روح مجرد رہ جاتا ہے اور اوصافِ بشریت ہوا و ہوس وخواہش و آرزو وغیرہ اس سے رخصت ہو جاتے ہیں، اس وقت اتنی صفائی باطن نورانیتِ قلب حاصل ہو جاتی ہے کہ اسے ہر فعل کی فاعل ذاتِ خالق ہی نظر آتی ہے اور یہ یقین شہودی حاصل ہو جاتا ہے کہ تمام موجودات میں فاعل حقیقی صرف خدائے تعالیٰ ہے اور ہر راحت وسکون، ہر خیر وشر، ہر سود وزیاں، ہر عطاو بخل، ہر کشائش وتنگی، ہر موت و حیات، ہر عزت وذلت، ہر توانگری وافلاس کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ قادر مطلق ہی کی قدرت کا ایک ظہور ہے،

تا آنکہ یہ سلسلہ معرفت کامل پر جاکر منتہی ہوتا ہے یعنی بندہ کو ہر شے کا مرجع و مبدء ذات خداوندی محسوس ہونے لگتی ہے، اسرارِ قدرت اس پر روشن ہونے لگتے ہیں، وہ خالق ہی کے کان سے سنتا ہے، اسی کی حمد وثنا، شکر ودعا میں لگ جاتا ہے۔

مقالاتِ ذیل کی نوعیتِ مباحث کا اندازہ جن میں سے ہر ایک بجائے خود نہایت اہم دلچسپ وبصیرت افزا ہے، ان کے عنوانات سے ہوگا،

ذیل میں مختلف ابواب سے چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں،

باب (۵۱) میں اپنے صاحبزادے کو وصایا ارشاد فرماتے ہیں گویا وہ طریقہ تعلیم کرتے ہیں جس پر چلنے سے انسان عارف کامل بن سکتا ہے، آج کل کے مشایخ کو یہ دیکھکر حیرت

ہوگی کہ اس وصیت نامہ میں ان کے مروجہ اشغال ومراسم کا کہیں ذکر نہیں، بلکہ تمامتر پابندی شریعت ضبطِ نفس، ومجاہدہ کی تعلیم ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

اوصیك بتقوی اللہ وطاعتہ ولزوم ظاہر الشرع وسلامة الصدر وسخاء النفس وبشاشة الوجہ وبذل الندی وکف الاذی وحمل الاذی والفقر وحفظ حرمات المشائخ وحسن العشرة مع الاخوان والنصیحة للاصاغر وترك الخصومة فی الارفاق وملازمة الایثار ومجانبة الادخار:۔

ص ۲۹۵-۲۹۶

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا تقویٰ وطاعت اختیار کرو، اور شریعت ظاہری کی پابندی لازمی رکھو، اور سینہ کو (خواہشات وخباثت نفس) محفوظ رکھو، اور نفس میں جوانمردی رکھو، اور کشادہ رو رہو، اور جو شے عطا کرنے کے قابل ہو اسے عطا کرتے رہو، اور ایذادہی سے باز رہو، اور آزارِ خلق وآداب درویشی کا تحمل کرتے رہو، اور حرمتِ مشائخ نگاہ رکھو، اور برابر والوں سے حسنِ معاشرت رکھو اور خردوں کو نصیحت کرتے رہو، اور اپنے رفیقوں سے جنگ نہ کرو، اور ایثار کو اپنے اوپر لازم کرلو، اور ذخیرۂ مال فراہم کرنے سے بچو،

فقر کی حقیقت دو لفظوں میں بیان فرمادی ہے،

وحقیقة الفقر ان لا تفتقر الی من ھو مثلك (ص ۳۱)

فقر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی جیسی کسی ہستی کا محتاج نہ رہ (یعنی صرف خدا سے واسطہ رہے، اور مخلوقات سے مطلق نہ رہے)

تصوف کی تحصیل کس طریقہ سے انسان کے لیے ممکن ہے؟ قیل وقال بحث ومباحثہ

والتصوف ما اخذ من القیل والقال ل

کے ذریعہ سے نہیں بلکہ گرسنگی سے اور دنیا کی خوشگوا

وَلٰکن اخذ عن الجوع وقطع المألوفات والمستحسنات | وہ محبوب اشیاء کے ترک سے،

تصوف کی بنیاد کار ان آٹھ خصلتوں پر ہے جنہیں سے ہر ایک کا مظہر ایک ایک نبی اولو العزم ہوا ہے، ان کے آثار قدم کی پیروی طالب تصوف کے لئے ناگزیر ہے،

التصوف مبنی علی ثمان خصال السخا	تصوف مبنی ہے آٹھ خصلتوں پر، سخاوت ابراہیم
لابراهیم والرضاء لاسحاق والصبر	پر، رضائے اسحٰق پر، صبر ایوب پر، مناجات زکریا پر
لایوب والاشارة لزکریا والغربة لیحیی	غربت یحییٰ پر، خرقہ پوشی موسیٰ پر، سیاحت (یا تجرد)
ولبس الصوف لموسی والسیاحة لعیسی	عیسیٰ پر، اور فقر محمد صلعم پر،

ایک پیر مرد نے خواب میں آپ سے دریافت کیا کہ خدا سے بندہ کو قریب کرنے والی کیا شے ہے، آپ نے جواب دیا کہ جو شے تقرب باری پیدا کرتی ہے اس کی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا ہے، ابتدا اس کی ورع ہے اور انتہا اس کی رضا و تسلیم و توکل ہے (ص ۲۶۳)

آج بہت سے اہل غفلت کا یہ حال ہے، کہ پابندی فرائض و تعمیل نصوص قطعیہ کی جانب سے غافل و سست ہیں اور ادائے نوافل و اوراد و وظائف میں مستعد اور خاص اہتمام رکھنے والے اس طبقہ کی بابت ارشاد ہوتا ہے:-

ینبغی للمومن ان یشتغل اولاً بالفرائض	مومن کو چاہئے کہ سب سے پہلے فرائض پر متوجہ ہو جب
فاذا فرغ منها اشتغل بالسنن ثم یشتغل	ادا کر چکے تب سنتوں کو اختیار کرے، اس کے بعد نوافل
بالنوافل والفضائل فمن لم یفرغ من الفرائض	پر متوجہ ہو لیکن جو شخص اپنے فرائض سے فارغ نہیں ہو چکا
فالاشتغال بالسنن حمق ورعونة فان	ہے، اس کے لئے سنتوں میں مشغول ہو جانا حماقت و نادانی
اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض	ہے، اس لئے کہ ادائے فرائض سے قبل سنن و نوافل غیر مقبول
لم یقبل منه واهین (ص ۲۶۳)	رہیں گے، اور جو شخص ایسا کریگا خوار ہوگا،

فرائض کو چھوڑ کر سنن و نوافل میں مشغول ہونے والے کی مثال اس شخص کی

فمثلہ کمثل رجل یدعوہ الملک الی خدمتہ	سی ہے کہ اسے بادشاہ اپنی خدمت کے لئے بلائے
فلا یأتی الیہ ویقف یخدم الامیر	ہو اور وہ بادشاہ کے حضور میں تو نہ جائے اور
الذی ھو عبد الملک وخادمہ وتحت	ایک امیر کی خدمت میں لگا رہے جو خود اس
یدہ (ص ۲۶۵)	بادشاہ کا زیر دست، خادم اور غلام ہے۔

نمازی جب تک فرائض نہ ادا کرے، اس کے نوافل غیر مقبول رہتے ہیں۔ (ص ۲۶۶) اسی طرح اس نمازی کے نوافل بھی جو سنتوں کو چھوڑ کر نوافل ادا کر رہا ہے۔ (ایضاً)

شرک محض اصنام پرستی کا نام نہیں، بلکہ خواہشِ نفس کی پیروی کرنا یا خدا کے علاوہ غیر خدا کی طلب کرنا، یہ سب شرک ہے۔ (ص ۳۴۳)

اس اجمالی مطالعہ کے بعد ارشاد ہو کہ آج "قادری خانقاہوں اور درگاہوں" میں جن رسوم کو فقر و تصوف کہہ کر پکارا جا رہا ہے انھیں حضرت شیخ جیلانیؒ کے تعلیم کیے ہوئے فقر و تصوف سے دور کی بھی کوئی مناسبت ہے؟

باب (۵)

عوارف المعارف

(شیخ شہاب الدین سہروردیؒ)

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ حضرات صوفیہ میں نہ صرف ایک مسلم امام ہوئے ہیں، بلکہ ایک مستقل سلسلہ (سہروردیہ) کے بانی بھی تسلیم کئے جاتے ہیں، اور اسی نسبت سے اُن کی کتاب عوارف المعارف کو مرتبۂ استناد و قبول عام بھی حاصل ہے۔ اصل عربی میں کئی بار چھپ چکی ہے، فارسی میں ایک سے زائد ترجمے ہو چکے ہیں، اردو میں بھی ترجمہ نکل چکا ہے، متاخرین کے سلوک کے علمی حصہ کا بڑا ماخذ یہی کتاب ہے،

(۱) مصنف

پورا نام ابو حفص شہاب الدین عمر بن محمد البکری سہروردی ہے، عام لقب شیخ الشیوخ تھا، معاصر صوفیہ دور دور سے دریافتِ مسائل میں ان سے رجوع کرتے تھے، قیام بغداد میں رہتا تھا ولادت ماہ رجب ۵۳۹ھ ہجری میں ہوئی، عمر طبعی پائی، انتقال محرم ۶۳۲ھ ہجری میں ہوا،

مزار بغداد ہی میں ہے، مولد سہرورد تھا، جو عراق عجم کا ایک قصبہ ہے،

سلہ نفحات الانس صفحہ ۵۵۰ (مطبوعہ کلکتہ) سلہ ایضاً و سفینۃ الاولیاء سلہ سفینۃ الاولیاء صفحہ ۱۰۰ (مطبوعہ لکھنؤ)

والد ماجد کا نام شیخ محمد قریشی تھا[1] سلسلۂ نسب بارہ پشتوں سے حضرت صدیق اکبرؓ تک منتہی ہوتا ہے[2]۔

ابتداً اپنے حقیقی چچا شیخ ابو النجیب سہروردیؒ کے مرید ہوئے، اور پرورش بھی انھیں کے سایۂ عاطفت میں پائی لیکن طبیعت کا رجحان علم کلام کی جانب تھا، متعدد کتابیں اس فن میں ازبر کرلی تھیں، چچا اکثر اس فن سے مانع ہوا کرتے تھے لیکن اثر نہ ہوتا تھا، ایک روز حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کو بھی ہمراہ لیا اور ان سے فرمایا کہ، دیکھو ایک ایسے بزرگ کی خدمت میں حاضر ہورہے ہیں جن کا قلب خدا تعالیٰ کی خبر دیتا ہے، ان کے دیدار کی برکات حاصل کرنا۔ حضرت شیخ جیلانیؒ کی خدمت مبارک میں پہونچ کر انھوں نے عرض کی کہ یا حضرت! یہ میرا بھتیجا علم کلام میں مشغول رہا کرتا ہے، ہر چند منع کرتا ہوں، باز نہیں آتا، حضرت نے ان سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کہ "تم کون کون کتابیں پڑھی ہیں،" تو انھوں نے نام گنائے حضرت نے سنکر اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر پھیرا، ان کا بیان ہے کہ :-

"ہاتھ کا پھیرنا تھا کہ بخدا ایک لفظ بھی مجھے ان کتابوں کا یاد نہ رہ گیا، خدا نے مسائل تمام مسائل کلامیہ میرے دل سے محو کر دیئے، اور قلب کو علم لدنی سے مملو کر دیا[3]"

علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے، یافعی کے الفاظ ہیں، کان فقیہا فاضلا صوفیا ورعا زاھدا عارفا شیخ وقتہ فی علم الحقیقۃ والیہ المنتھی فی تربیۃ المریدین (مرأۃ الجنان)

شیخ کے مریدین بہ کثرت تھے، اور مشہور فاضلین و کاملین جو بجائے خود صاحبان سلسلہ ہوئے ہیں، مثلاً شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ حمید الدین ناگوری، شیخ نجیب الدین علی برغش وغیرہم[4]۔

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ ص ۲۳، [2] ایضاً ص ۲۳، [3] سفینۃ الاولیاء، [4] ایضاً۔

تصانیف کثیر چھوڑیں، جنکے نام معلوم ہیں، رشف النصائح، اعلام الہدیٰ فی عقیدۃ ارباب التقی، بہجۃ الاسرار (در مناقب غوث الاعظمؒ) سب سے زیادہ مشہور عوارف المعارف ہے جسکا سال تصنیف سنہ ۵۲۰ھ ہے[۱]

(۲) تصنیف

کل کتاب دو حصوں میں ہے، اور ۴۳ بابوں پر شامل ہے، ۲۳ باب حصہ اول میں ہیں اور ۲۰ حصہ دوم میں،

خطبۂ کتاب میں حمد و نعت کے بعد ہی سبب تالیف کتاب یہ بیان کرتے ہیں، کہ گروہِ صوفیہ میں اختلاط پیدا ہو چلا ہے، ان کے اعمال ناصاف ہوتے جاتے ہیں، ان کے زوال کے آثار پیدا ہو گئے ہیں، اتباع کتاب و سنت کا سررشتہ ہاتھوں سے چھوٹ گیا ہے، اور خلقت حقیقتِ تصوف کی جانب سے بدگمان ہو چلی ہے،،

اس کے بعد ابواب کتاب کی فہرست درج کرتے ہیں، جو اس زمانہ کے مصنفین کے لئے ایک نادر شے ہے، اس کے خاتمہ پر جنید بغدادیؒ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ

"ہمارے اس علم طریقت کی بساط سالہا سال ہوئے، کہ لپیٹ کر رکھدی گئی، اور ہم اب اس کے حاشیہ پر گفتگو کر رہے ہیں، بصد حسرت و تاسف فرماتے ہیں، کہ:-

بدا هذا القول منه في وقته مع قرب	یہ اس وقت ارشاد ہوا تھا درآں حالیکہ وہ زمانہ عہدِ
العهد بعلماء السلف وصالحي التابعين	سلف و صلحائے تابعین سے قریب تھا، پس ہمارا کیا حال
فكيف بنا مع بعد العهد وقلة العلماء	بیان ہو جبکہ اس قدر زمانہ اور گزر چکا ہو اور علمائے
الزاهدين والعارفين بحقائق علوم الدين	زاہدین اور عارفین حقائق دین کم ہو گئے ہیں،

[۱] نفحات و خزینہ۔

انحطاطِ تصوف کی یہ صورت ۶۲۲ھ میں تھی، فرزندانِ حال کو اس پر قیاس کرنا چاہئے کہ تقریباً آٹھ سو برس اور گذرنے کے بعد آج یہ پستی کس حد تک پہونچ گئی ہوگی؟

مطالبِ کتاب کا ایک سرسری و اجمالی اندازہ عنوانات و ابواب سے ہوگا:

(۱) فی ذکر منشاء علوم الصوفیہ، اس میں علم تصوف وعلوم متعلقہ کی ابتدائی تاریخ اور ان کا مبدء و منشاء بیان کیا ہے، (ص ۱۰-۱)

(۲) فی ذکر تخصیص الصوفیہ بحسن الاستماع، اس میں کلام خدا اور کلامِ رسولؐ کے حسنِ استماع اور اس کی برکات کا ذکر ہے، (ص ۱۱-۱۶)

(۳) فی بیان فضیلۃ علوم الصوفیہ والاشارۃ الی انموذج منہا، (ص ۱۷-۲۵)

(۴) فی شرح حال الصوفیہ واختلاف طریقہم، (ص ۲۶-۲۹)

(۵) پانچواں باب ماہیتِ تصوف پر ہے، (ص ۲۹-۳۲) اور

(۶) چھٹا باب تصوف کی وجہ تسمیہ پر، (ص ۳۳-۳۶)

(۷تا۹) ساتویں سے نویں تک تین باب متصوف، ملامتی، اور متصوفی اہل تصوف سے متعلق ہیں، (ص ۳۶-۴۴)

(۱۰) دسویں باب میں مرتبۂ شیخت کی شرح ہے، (ص ۴۴-۴۹)

(۱۱) فی شرح حال الخادم ومن تشبہ بہ، (ص ۴۹-۵۵)

(۱۲) بارہواں باب خرقۂ مشائخ (ص ۵۵-۵۵) سے متعلق ہے،

(۱۳تا۱۵) یہ تین باب اہل خانقاہ و اہل صفہ کی باہمی نسبت و تعلقات کے بیان میں ہیں (ص ۵۵-۶۳)

(۱۶تا۱۸) یہ تین باب صوفیہ کے آدابِ سفر و قیام اور ان کے متعلقات پر ہیں (ص ۶۳-۷۰)

(١٩) فی حال الصوفی المتسبب (ص٨٦۔٩١)

(٢٠) فی ذکر من یاکل من الفتوح (ص٩١۔٩٢)

(٢١) صوفیہ متجرد و متاہل کے احوال و مقاصد میں، (ص٩٢۔٩٦)

(٢٢) تا (٢٥) یہ چار ابواب، سماع اور اس کے متعلقات و شرائط کی نذر ہیں (ص٩٦۔١٠٩)

(٢٦) تا (٢٨) ان ابواب ثلثہ کا موضوع صوفیہ کی چلہ کشی اور اس کے آداب و شرائط ہیں (ص١٠٩۔١٢٠)

(٢٩) تا (٣٠) اخلاق صوفیہ کا بیان، (ص١٢٠۔١٤٥)

(٣١) فی ذکر الادب ومکانہ من التصوف، (ص١٤٥۔١٤٧)

(٣٢) فی آداب الحضرۃ الالٰہیۃ لاہل القرب، (ص١٤٧۔١٥٠)

جلد اول، باب سی ودوم پر ختم ہوتی ہے، باب سی وسوم سے جلد ثانی کا آغاز ہوتا ہے،

(٣٣) تا (٣٥) مقدمات طہارت، وضو، واسرار وضو کا بیان (ص٢۔٨)

(٣٦) تا (٣٨) نماز اور اس کے فضائل، آداب واسرار کا بیان (ص٨۔٢٢)

(٣٩) تا (٤١) روزہ اور اس کے فضائل و اسرار کا بیان (ص٢٣۔٢٧)

(٤٢ و ٤٣) طعام اور اس کے مفاسد و مصالح اور آداب کا بیان (ص٢٧۔٣٣)

(٤٤) آداب ولباس پر (ص٣٣۔٣٤)

(٤٥) فضائل شب بیداری پر (ص٣٤۔٣٦)

(٤٦) ان اسباب وحالات کے بیان میں جو شب بیداری میں معین ہوتے ہیں (ص٣٦۔٤١)

(٤٧) فی ادب الانتباہ من النوم والعمل باللیل، (ص٤١۔٤٥)

مثل دیگر قدماء صوفیہ کے شیخ سہروردیؒ بھی کتاب اللہ وکتاب رسولؐ پر پورا پورا عبور رکھتے تھے، علوم قرآن کے عالم متبحر اور فن حدیث کے پورے ماہر تھے، جو کچھ لکھتے ہیں اس کی ایک ایک سطر پر کتاب اللہ واقوال رسولؐ خدا سے استناد کرتے جاتے ہیں یہاں تک

کہ جو ابواب اصولی و تعلیمی حیثیت رکھتے ہیں، تقریباً ان سب کا آغاز بجائے زید، عمر، بکر کے اقوال کے ارشادِ خدا یا ارشادِ رسولؐ ہی سے کرتے ہیں، چند مثالیں قابلِ ملاحظہ ہیں،

باب (۴۸) تقسیم قیام اللیل پر ہے، اس کا عنوان اس آیہ کریمہ کو بنایا ہے، والذین یبیتون لربھم سجدًا وقیامًا،

باب (۴۹) شرح حال صوفیہ پر ہے، اس کا آغاز اس ارشادِ نبوی سے ہوتا ہے: قال انس بن مالک قال لی رسول اللہ صلعم یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد فافعل ثم قال یا بنی وذلک من سنتی ومن احیا سنتی فقد احیانی ومن احیانی کان معی فی الجنۃ،

باب (۵۹) اداے حقوق صحبت واخوت پر ہے، آیاتِ ذیل اس عنوان کو زینت دے رہی ہیں، وتعاونوا علی البر والتقوی، وتواصوا بالحق وتواصوا بالمرحمۃ، اشداء علی الکفار رحماء بینھم،

باب (۶۰) مقاماتِ مشایخ پر ہے، اس میں عنوانات وترتیب خوف، رجا کا آغاز علی الترتیب احادیثِ ذیل سے کرتے ہیں، ملاحظہ کرو، دیکھو الورع، رأس الحکمۃ مخافۃ اللہ قال رسول اللہ صلعم یقول اللہ عز وجل اخرجوا من النار من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان ثم یقول وعزتی وجلالی لا اجعل من امن بی ساعۃ من لیل او نہار کمن لا یومن بی

باب (۳۳) مقدمات وآدابِ طہارت پر ہے، اس باب کا سرنامہ ذیل کی آیۂ شریفہ کو بناتے ہیں، فیہ رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المطہرین،

آج ایک عام خیال یہ پھیلا ہے، کہ تصوف، اسلام سے الگ، ایک مستقل نظام مذہبی کا نام ہے، اور غیر ہندوستان کے ان پڑھ عوام تو ایک حد تک معذور ہیں، یورپ کے

فضلا مستشرقین سب کچھ پڑھ چکنے اور جان لینے کے بعد بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا نظر آتے ہیں، انکا بیان ہے کہ تصوف، ہندوستان، یونان، مصر، ایران کے روحانی اثرات کے مجموعہ کا نام ہے جسمیں بعد کو اسلامیت کے عناصر بھی مخلوط کر دیئے گئے، یہ خیال تمامتر غلط ہے، جیسا کہ اس رسالہ کے دیگر ابواب میں کتاب اللمع، کشف المحجوب، رسالہ قشیریہ، فتوح الغیب وغیرہ کے اقتباسات سے دکھایا جا چکا ہے، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تصوف اپنی اصلی، خالص، سادہ صورت میں اسلام کی کامل ترین صورت کے مرادف ہے، بیرونی عناصر کا امتزاج صرف اس وقت شروع ہوا، جب تصوف دورِ انحطاط میں آ چکا تھا۔

شیخ سہروردیؒ بھی اس باب میں دیگر اکابر طریقت کے بالکل ہمزبان ہیں، ان کے نزدیک تصفیۂ قلوب و تزکیۂ نفوس براہ راست تعلیمات مصطفوی کا ثمرہ ہے، اور جو شخص اس سرچشمۂ ہدایت و رشد سے جتنا زیادہ سیراب ہوا، اسی مناسبت سے صفائے قلب و تزکیۂ نفس میں بھی اس نے زیادہ ممتاز مرتبہ حاصل کیا[1]، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم الفرائض و علم الکلام، معانی و بیان، لغت و نحو، غرض وہ تمام علوم جو فہم شریعت میں کام آتے ہیں، سب کے سب ضد تصوف نہیں، بلکہ مقدمات تصوف و مبادی طریقت ہیں[2]، خلقت کی اصل ذات رسالت مآب صلعم ہے، ساری کائنات اسی کے طفیل میں ہے، اور یہی ذات اقدس دنیا میں علم و ہدایت لیکر آئی، پس جو شخص اپنی پاکیزہ طینتی کے لحاظ سے جتنا زیادہ اس جوہر گرامی سے قرب و مناسبت رکھتا ہے، اسی قدر وہ علم و ہدایت سے زیادہ بہرہ ور ہوتا، اور دوسروں کے لئے باعث ہدایت بنتا ہے، یہی گروہ گروہ صوفیہ اور بہ اصطلاح قرآن گروہ مقربین کہلاتا ہے[3]،

کلام الٰہی میں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

[1] عوارف صفحہ ۴ (مطبوعہ مصر)، [2] ایضاً ص۵، [3] ایضاً ص۱۰۰،

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب

(زمر ع ۲)

لے پیغمبر ہمارے ان بندوں کو خوشخبری دو جو ہمارے کلام کو حسن استماع کے ساتھ سنتے اور اس کی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی لوگ ہیں جنہیں خدا نے ہدایت دی ہے اور جو صاحب عقل سلیم ہیں۔

گویا ہدایت کا اصل راز حسن استماع ہے۔ بعض صوفیہ کا عقیدہ ہے کہ آیۂ بالا میں جس شے کو "کتاب" یا "دانش" سے تعبیر کیا ہے اس کے کل سو حصہ ہیں جن میں سے ننانوے حضرت رسالت پناہ صلعم کے حصہ میں آ گئے۔ باقی ایک حصہ تمام کائنات کے مومنین پر تقسیم ہوا ہے۔ یہ جزو بھی خود اکیس اجزاء پر مشتمل ہے۔ ایک جزو سب مومنین میں برابر مشترک ہے یعنی کلمۂ شہادت باقی بیس حصوں میں مومنین بہ لحاظ اپنی قوت ایمانی کے ایک دوسرے سے برتر و فروتر ہیں آیۂ بالا میں "احسن القول" جس شے سے عبارت ہے وہ رسول اللہ صلعم پر نازل ہوا ہے جو شخص اس کے اتباع اور اس کے حسن استماع میں جتنا غلو رکھے گا اسی قدر وہ صفت تقرب سے زیادہ موصوف ہوگا اور اسی صفت رکھنے والے کا نام صوفی ہے[1]۔

اور یہ جو کلام مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ لے ایمان والو!

یا ایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم

(انفال ع ۳)

خدا اور رسول کی اس دعوت کو بگوش ہوش قبول کرو جب رسول خدا تمہیں اس امر کی طرف دعوت دیتے ہیں جو تم میں نئی روح پھونکتا ہے

سو شیخ واسطیؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ زندگی سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے

---

[1] عوارف صفحہ ۱۳ (مطبوعہ مصر)

تئیں تمام علائق سے لفظاً و علاہر طرح آزاد کرے، اور بعض صوفیہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں، کہ خدا کی دعوت قبول کرو:

استجیبوا للّٰہ بسرائرکم وللرسول بظواهرکم فحیاة النفوس بمتابعة الرسول صلعم وحیات القلوب بمشاهدة الغیوب وهو الحیاء من اللّٰہ تعالیٰ برویة التقصیر،

اپنی اندرونی کیفیات سے، اور رسول کی دعوت قبول کرو اپنے ظاہری اعمال سے، اس لئے کہ حیاتِ نفس عبارت ہے متابعتِ رسول صلعم سے، اور حیاتِ قلب مشاہدۂ غیب سے جس کے معنی یہ ہیں، کہ گناہ کے مواجہ میں حق تعالیٰ سے شرم کیجائے،[1]

ان مقدمات سے صرف ایک ہی نتیجہ نکل سکتا تھا اور وہی شیخؒ نے نکالا ہے، یعنی کہ تصوف نام ہے قولاً فعلاً حالاً ہر حیثیت سے اتباعِ رسول صلعم[2] کا، اور اسی پر مداومت رکھنے سے جب اہل تصوف کے نفوس مقدس ہو جاتے ہیں، حجابات اٹھ جاتے ہیں، اور ہر شے میں اتباعِ رسولؐ ہونے لگتا ہے، تو اس صورت میں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت لازم آجاتی ہے، اس لئے کہ وعدۂ الٰہی موجود ہے کہ اے پیغمبر کہہ دو:-

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ،

کہ اگر خدا کو دوست رکھو گے، تو میری متابعت کرو، خدا تم سے محبت کرنے لگے گا،

متابعتِ رسول صلعم عین محبتِ الٰہی کی علامت ہے، اور اتباعِ رسول صلعم کا صلہ ہی محبتِ الٰہی قرار دیا گیا ہے، پس جو شخص جتنا زائد متبعِ رسول صلعم ہے، اسی قدر

فاوفر الناس حظا من متابعة الرسول اوفرهم حظا من محبة اللّٰہ تعالیٰ نصیبه والصوفیة من بین طوائف الاسلام ظفروا بحسن الاتباع

زیادہ وہ محبتِ الٰہی کا بھی حصہ دار ہے، اور تمام اسلامی گروہوں میں صوفیہ ہی نے سب سے زیادہ اتباعِ رسول صلعم کیا ہے۔[3]

---

[1] عوارف صفحہ ٣، [2] ایضاً صفحہ ٢٣، [3] ایضاً۔

اعمالِ نبویؐ میں بہ لحاظ کثرتِ عبادات وقیامِ تہجد، و نوافلِ صوم وصلوٰۃ اور اخلاق واقوالِ نبویؐ میں بہ لحاظ عفو وحلم، رافت ورحمت، حیا، و تواضع مدارات ونصیحت اور احوالِ نبویؐ میں بلحاظ زہد وتوکل، صبر و رضا، خشیت وہیبت سب سے زیادہ گروہِ صوفیہ ہی نے حقِ اتباعِ سنت نبویؐ ادا کیا ہے گویا گروہِ صوفیہ نام ہے اسی گروہ کا جس نے

فاستوفوا جميع اقسام المتابعات و — ہر قسم کی متابعت کا حق ادا کر دیا، اور سنتِ رسولؐ

احيوا سنته باقصى الغايات، — کو انتہائی درجہ تک زندہ کر دیا۔[1]

پس یہی گروہِ صوفیہ صافیہ درحقیقت اس بشارتِ عظمیٰ کا بھی اہل ہے، جو حدیثِ نبویؐ میں وارد ہوئی ہے کہ،

من احيا سنتي احياني ومن احياني كان معي في الجنة۔ — جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اس نے گویا مجھے زندہ کیا، وہ میرے ہمراہ جنت میں ہوگا۔

صوفیہ قدیم کے ایک مسلم سرخیل شیخ عبد الواحد بن زیدؒ سے لوگوں نے صوفی کی تعریف دریافت کی، تو انھوں نے کہا کہ صوفی وہ لوگ ہوتے ہیں جو

قال القاسمون يعقلون بهم على فهم السنة والذاكرون عليها بقلوبهم والمعتصمون بسيدهم من شر نفوسهم هم الصوفية — جو اپنی عقل کو سنتِ رسول پر صرف کرتے ہیں، او اپنے قلوب کو اس پر متوجہ رکھتے ہیں، اور اپنے نفس کی خباثتوں سے اپنے سردار (رسول اللہ صلعم) کے دامن میں پناہ لیتے ہیں ان لوگوں پر صوفی کا اطلاق ہوتا ہے،

شیخ سہروردیؒ اس تعریف کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

---

[1] عوارف صفحہ ۷۰، (مطبوعہ مصر)

هذا اوصف تا موصفهم به — یہ ان کی بہترین تعریف ہو گی گئی،

آج سوال صرف اتنا ہے کہ مشائخ و صوفیۂ حال کی اکثریت پر بھی یہ تعریف صادق آتی ہے؟ اور جو مدعیانِ فقر و طریقت، اتباعِ سنت و شریعت کو اپنے مرتبہ سے فروتر قرار دیتے ہیں ان پر لفظ "صوفیہ" کا اطلاق کسی حد تک بھی درست ہو سکتا ہے؟

آج کسی انسان کے پیر و مرشد بننے کے لئے صرف یہ وصف کافی سمجھا جاتا ہے کہ وہ کسی بزرگ کی درگاہ کا "صاحب سجادہ" یا "پیرزادہ" یعنی کسی بزرگ کی اولاد ہو، لیکن قدمار ان اصطلاحات اور ان کے مفہوم سے یکسر بیگانہ تھے۔ ان حضرات کے نزدیک مرتبۂ شیخت طریق تصوف میں اعلیٰ ترین

رتبة المشيخة من اعلى الرتب فى — مرتبہ ہے، اور شیخ دعوت الی اللہ میں گویا

طريق الصوفية ونيابة النبوة فى الدعاء الى الله[1] — نیابت نبوت کے منصب پر فائز ہوتا ہے،

استحقاق کا معیار بجائے نسبتی و نسبی قرابت کے بیہ وہی راہِ حق و اتباعِ مسلک خیر تھا شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردیؒ اکثر ارشاد فرماتے تھے کہ:۔

وكثيرا كان شيخنا شيخ الاسلام يقول[2] — میرا فرزند وہی ہے جو میرے طریقہ پر چلا اور جس

يقول ولدى من سلك طريقى واهتدى بهديى[3] — میری راہِ ہدایت اختیار کی،

شیخ کے مرتبۂ کمال کا معیار بھی وہی اتباع واقتدائے رسولؐ ہو، اگر شیخ کی یہ نسبت اقتدا واتباع درست ہے، تو حسب نص قرآنی، وہ خدا کی نظر میں محبوب ہو گا،[4]

موجودہ صوفیہ میں بعض بزرگوار اپنے تئیں طریقۂ ملامتی، وقلندری کا متبع بتاتے ہیں تکالیف شرعی کو اپنے سے ساقط سمجھتے ہیں، اور علانیہ اپنے وضع و لباس، اکل و شرب اور ترک فرائض

---

[1] عوارف ص ۲۰۰، (مطبوعہ مصر) [2] ایضاً ص ۵۰، [3] ایضاً [4] ایضاً،

وارتکابِ منہیات سے احکامِ شریعت کا استخفاف کرتے رہتے ہیں، اور اسے فخر کے ساتھ اپنے کمالِ روحانیت کی دلیل سمجھتے ہیں،

لامتیہ وقلندریہ کا وجود شیخؒ کے زمانہ میں بھی تھا، وہ نفسِ طریق ملامتی کی عظمت کے پوری طرح قائل ہیں، اور بجائے خود طریق ملامتی کو فقر و تصوف، صدق و اخلاص، کے بلند مرتبہ پر رکھتے اور اس کو متمسک بہ آثار و سنن قرار دیتے ہیں، (انفعال شمائلھم و مقام عزیز و تمسک بالسنن والآثار و تحقق بالاخلاص (ص۲۰۰) ان کے نقطۂ خیال کی پوری توضیح ملا جامیؒ نے نفحات الانس میں کی ہے، فرماتے ہیں[1]،

"و اما ملامتیہ جماعتے باشند کہ در رعایت معنی اخلاص و محافظت قاعدۂ صدق و اخلاص غایت جہد مبذول دارند، و در اخفای طاعات و کتم خیرات از نظر خلق مبالغت واجب دانند با آنکہ ہیچ دقیقہ از مراسم اعمال کش نہ گذارند و تمسک بجمیع فرائض و نوافل از لوازم شمرند، و مشرب ایشاں در کل اوقات تحقیق معنی اخلاص بود و لذت ایشاں در نظر حق بر اعمال و احوال ایشاں، و ہمچناں کہ عاصی از ظہور معصیت بر حذر بود، ایشاں از ظہور طاعت کہ مظنۂ ریا باشد حذر کنند، تا قاعدۂ اخلاص خلل نہ پذیرد"،

یہ ان لوگوں کی کیفیت ہوتی ہے، جو فی الواقع مسلکِ ملامتیہ کے سالک ہوتے ہیں، لیکن ریاکاروں کا ایک گروہ آج سے نہیں، شیخؒ ہی کے زمانہ سے موجود رہا ہے، جس کو تصوف، فقر، و روحانیت سے کوئی واسطہ نہیں، بایں ہمہ

فمن ذلک قوم یسمون نفوسھم قلندریۃ تارۃ و ملامتیۃ اخری (ص۶۸)

وہ کبھی اپنے تئیں ملامتیہ کہتے ہیں، اور کبھی قلندریہ مشہور کرتے ہیں،

---

[1] نفحات الانس، جامی صفحہ ۔۔۔ ۹ (مطبوعہ کلکتہ)

اس کے بعد ملامتیہ و قلندریہ و صوفیہ کے درمیان اصولی فرق بیان کر کے، شیخ اس ریاکار گروہ
کے متعلق فرماتے ہیں، کہ گمراہوں کے ایک گروہ نے اپنے تئیں،

وقوم من المفتونين سموا انفسهم ملامتية
ولبسوا لبسة الصوفية لينتسبوا بها الى الصوفية
وما هم من الصوفية بشئ بل هم فى غرور
وغلط يتسترون بلبسة الصوفية توقيا
تارة ودعاوى اخرى وينتهجون مناهج اهل
الاباحة ويزعمون ان ضمائرهم خلصت
الى الله تعالى ويقولون هذا هو الظفر
بالمراد والارتسام بمراسم الشريعة رتبة
العوام والقاصرين الافهام المنحصرين
فى المضيق الاقتداء تقليدا هذا هو
عين الالحاد والزندقة والابعاد وجهل
هؤلاء المغرورون ان الشريعة حق
العبودية والحقيقة هى حقيقة العبودية
ومن صار من اهل الحقيقة تقيد
بحقوق العبودية وحقيقة
العبودية[1]،

ملامتیہ مشہور کر رکھا ہے، اور لباس صوفیہ پہن رکھا
ہے، تاکہ اس کا شمار صوفیہ میں ہو، حالانکہ انھیں صوفیہ
سے کوئی لگاؤ نہیں، بلکہ یہ لوگ دھوکے اور گمراہی
میں پڑے ہوئے ہیں، اور صوفیہ کا لباس کبھی اپنے
بچاؤ کے لئے اور کبھی کسی اور دعوی کے ساتھ پہنتے
ہیں، اور اہل اباحت کی راہ چلتے ہیں، اس زعم
کے ساتھ کہ ان کے ضمائر خدا کی جانب خالص و
راجع ہو گئے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہی کامیابی مقصود
ہے، اور یہ کہ شریعت کی پابندیاں عوام کے لئے ہیں،
جنکی عقلیں قاصر ہیں، اور جو تقلید، اقتدار کے پھندے
میں پھنسے ہوئے ہیں، یہ عین الحاد، زندقہ وابعاد
وجہالت ہے، یہ فریب خوردہ گروہ اس حقیقت سے
جاہل ہے کہ شریعت نام ہے حق عبودیت کا، اور
حقیقت عبودیت ہے، اور جو شخص اہل حقیقت
سے ہوگا، وہ حق عبودیت اور حقیقت عبودیت
میں مقید ہوگا،

---

[1] عوارف المعارف، ص ۴۳،

ایسے ہی لوگوں کے بابت حضرت عمر فاروق رضؓ کا یہ قول فیصل موجود ہے کہ:-

ان اناسا كانوا يوخذون بالوحى على عهد رسول الله صلعم وان الوحى قد انقطع وانما ناخذكم الان بما ظهر من اعمالكم فمن اظهر لنا خيرا امناه وقربناه وليس الينا من سريرته شئ الله تعالى يحاسبه فى سريرته ومن اظهر لنا سوى ذلك لم نامنه وان قال سريرته حسنة

عہد رسالت پناہؐ میں لوگوں سے بربنائے احکام وحی مواخذہ کیا جاتا تھا، سلسلہ وحی موقوف ہو گیا اب ہم تم سے مواخذہ تمہارے اعمال کی بناء پر کریں گے پس جس کے اعمال خیر ہم پر ظاہر ہوں گے، ہم اسے قبول کریں گے، اور اس سے قربت کریں گے، ہمیں اس کے باطن سے کچھ غرض نہیں، اس کے باطن کا محاسبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، البتہ اگر اس کے اعمال دوسری صورت یعنی صورت مذموم میں ہمارے سامنے ظاہر ہوئے تو ہم اسے قبول نہیں کرنے کے خواہ وہ کہتا رہے کہ میرا باطن آراستہ ہے۔

فاروق اعظم رضی کا ایک دوسرا ارشاد بھی ہماری رہبری کے لئے موجود ہے،

فاذا رأينا متهاونا بحدود الشرع مهملا للصلوة المفروضات لا يجد حلاوة التلاوة والصوم والصلوة ويدخل فى المداخل المكروهة المحرمة زدناه ولا نقبله ولا نقبل دعويه ان له سريرة صالحة،

جب ہم ایسے شخص کو دیکھیں گے جو حدود شرع کا استخفاف کرتا ہو، نماز فرض کو چھوڑے ہوئے ہو، تلاوت کلام مجید اور روزہ نماز سے حلاوت نہیں پاتا، اور حرام و مکروہ مقامات میں در آتا ہو، تو ہم اس سے انکار کریں گے اور نہ اسے قبول کریں گے اور نہ اس کے اس دعویٰ کو کہ وہ باطن صالح رکھتا ہے،

سید الطائفہ، مرشد مرشدان عظام، شیخ مشائخ کرامؒ حضرت جنید بغدادیؒ ایک مرتبہ

مرتبہ الٰہی پر گفتگو فرما رہے تھے، ایک شخص نے پوچھا کہ "اہل معرفت ترک اعمال صالحہ کے مقام تک بھی پہونچ جاتے ہیں" حضرت جنیدؒ اس قول کو سنکر بیحد برہم ہوئے، اس کا اندازہ ان کے مندرجہ ذیل جواب سے ہو سکتا ہے۔

ان هذا قول قوم تكلموا باسقاط	یہ قول اس گروہ کا ہے جو ترک اعمال کا قائل ہے
الاعمال وهذا عندی عظيمة و	یہ میرے نزدیک بہت بڑی بات (بیباکی کی) ہے
الذی يسرق ويزنی احسن حالاً	اور جو چوری کرتا، اور زنا کرتا ہے، اس کا بھی حال ایسا
من الذی يقول هذا وان العارفين	قول اختیار کرنے والے سے بہتر ہے، عارفین باللہ
بالله اخذوا الاعمال عن الله واليه	نے اپنے اعمال خدا سے حاصل کئے ہیں، اور بغیر اعمال
يرجعون فيها ولو بقيت الف عام	کے ساتھ وہ اس کی جانب واپس ہوں گے، میری عمر
لم انقص من اعمال البر ذرة الا	اگر ایک ہزار سال کی ہو تو میں ان اعمال خیر سے ایک
ان يحال بی دونها، وانها لآكد فی	ذرہ کم نہ کروں، بجز اس کے کہ میرا کوئی حائل ہو جائے
معرفتی واقوی لحالی	اور یہ اعمال تو میری معرفت کے لئے موکد اور میرے
	حال کے لئے موجب تقویت ہیں۔

سالکانِ طریقت کے لئے اگر حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت جنیدؒ اور حضرت شیخ سہروردیؒ کے اقوال سے زیادہ مستند و قوی کسی اور کا قول ہو سکتا ہے، تو دنیا کو ہنوز اس کا علم نہیں۔

باب (۶)

فوائد الفواد

(خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ)

ہندوستان کی دنیائے تصوف میں ایک خاص شہرت و امتیاز سلسلۂ عالیہ چشتیہ کو حاصل ہے۔ خواجگانِ چشتؒ نے خود کوئی مستقل تصنیفات نہیں چھوڑیں بلکہ ان کی تعلیمات و ہدایات کو ان کے مریدین مخلصین ملفوظات میں جمع کرتے رہے۔ خواجہ عثمان ہارونیؒ، خواجہ معین الدین اجمیریؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات اسی طرح علی الترتیب انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین اور راحت القلوب کے نام سے محفوظ ہیں۔ حضرت محبوب الٰہی سلسلہ خواجگانِ چشت کے خاتم تھے۔ آپ کا زمانہ ساتویں صدی کا اور آٹھویں صدی کی ابتدا کا ہے۔ آپ کے ملفوظات متعدد ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور مستند فوائد الفواد ہے جو ان کے مرید باختصاص میر حسن علاء سجزی کا مرتب کیا ہوا ہے۔ پچھلے صفحات میں جن بزرگوں کی تصنیف کو روشناس کیا گیا، مزید یہ جو اب تک جن کا ذکر آئیگا وہ سب بہ استثنائے شیخ ہجویری، ہندوستان سے باہر کے تھے۔ اور شیخ موصوف کا زمانہ بھی ہندوستان میں اسلام کے قدم جمنے سے قبل کا تھا۔ اب سب سے پہلے بزرگ کے درس ہدایت کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے جنکی

ولادت، نشوونما، وفات، سب ہندوستان ہی کے اندر ہوئی، اور جنھوں نے زمانہ وہ پایا جب مسلمان ہندوؤں سے خوب اچھی طرح مل چکے تھے اور "اسلامیت" "ہندیت" سے پوری طرح متاثر ہو چکی تھی:

(۱) مصنفؒ[1]

چھٹی صدی ہجری میں بخارا کے دو سید زادے سید علی اور سید عرب، ہندوستان وارد ہوئے، پہلے قیام لاہور میں کیا، پھر صوبہ متحدہ کے شہر بدایوں میں جو اس وقت مجمع صلحاء و علماء کے لحاظ سے قبۃ الاسلام کہا جاتا تھا، مستقل سکونت اختیار کرلی، یہیں ایک صاحبزادہ سید احمد کا عقد دوسرے کی صاحبزادی بی بی زلیخا کے ساتھ ہوا، اور اس عقد کا ثمرہ اس وجود کے قالب میں ظاہر ہوا جس پر نہ صرف بدایوں نہ صرف دہلی، بلکہ سارے ہندوستان کو فخر و ناز ہے، ولادت مبارک ۲۷ صفر ۶۳۶ھ کو ہوئی، ماں باپ نے نام فخر کائنات کے اسم مبارک پر محمد رکھا، شہرت عام کی زبان نے نظام الدین اولیاء کہکر پکارا، اور اپنے معاصرین کی زبان سے نظام الاولیاء، نظام الحق والدین، سلطان المشائخ اور محبوب الٰہی کے القاب پائیں،

شجرۂ نسب پدری و مادری دونوں سلسلوں سے بواسطہ سیدنا امام حسینؓ حضرت علیؓ تک پہونچتا ہے، عمر کے پانچویں سال سے ابھی قدم باہر نہیں نکلا تھا کہ سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا، مادرِ عرب کے یتیم کی امت کا یہ گوہرِ بے بہا بھی یتیم رہ گیا، والد ماجد حضرت سید احمد ایک مقدس و متقی بزرگ تھے جنکا مزار مبارک بدایوں میں اس وقت تک زیارت گاہِ خلق ہے

---

[1] حضرت محبوب الٰہی کے سوانح و حالات کا سب سے بڑا اور مستند ماخذ میر خورد دہلوی کی سیر الاولیاء ہے، جو اگرچہ چھپ چکی ہے لیکن اب بازار میں نایاب ہے، بعض حالات ملفوظات حضرت بابا فرید، راحت القلوب، مرتبہ حضرت محبوب الٰہیؒ، اور بعض حالات خود حضرت محبوب الٰہی کے متعدد ملفوظات فوائد الفواد، راحت المحبین، افضل الفوائد، درر نظامی (غیر مطبوعہ) میں مل جاتے ہیں، ان کے علاوہ عام ماخذ تاریخ فیروز شاہی، تاریخ فرشتہ، نفحات الانس، اخبار الاخیار، خزینۃ الاصفیا وغیرہ ہیں، اردو میں سیرت نظامی کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی ہے،

ان کی وفات کے بعد تربیت والدہ ماجدہ بی بی زلیخا نے دی، جو اپنے زہد و تقوی کے لحاظ سے اپنے زمانہ کی رابعہ بصریہ تھیں، اور جنکا مزار نواح دہلی میں اب بھی عقیدتمندوں کا مرجع ہے، مستجاب الدعوات تھیں، ہر دعا کا تیر ہدف مراد پر پہونچ کر رہتا تھا، آئندہ کے واقعات کشوف ہوجایا کرتے تھے، مرض الموت میں مبتلا ہوئیں، تو کھانا پانی سب چھوڑ دیا، ہر وقت گریہ طاری رہتا تھا، جمادی الاولی کی آخری تاریخ کی شام تھی، نیا چاند دیکھکر حضرت نظام الدین حسب دستور سلام کے لئے والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرمایا کہ، بیٹا! آئندہ مہینہ میں کس کے سلام کرنے کو آؤ گے، اور کون دعائیں دیگا؟ لخت جگر کو معلوم ہوگیا کہ سر سے یہ سایہ بھی اٹھا جاتا ہے، رو کر عرض کی، کہ اماں جان! ہم کو کس پر چھوڑے جاتی ہو، فرمایا کہ اس کا جواب صبح کو ملے گا اس وقت جا کر شیخ نجیب الدین متوکل کے ہاں سو رہو، رات میں نیند کسے آتی، صبح سویرے گھر کی خادمہ دوڑی ہوئی پہونچی کہ فوراً بلایا ہے، دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے، ماں نے پوچھا کہ "بشارات کر خوش رہے"؟ رو کر اور قدموں پر گر کر عرض کیا، کہ میری خوشی تو اماجان آپ کی سلامتی کے ساتھ ہے، فرمایا "اب وقت ہے کہ کل کی بات کا جواب لو" یہ کہکر داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا، اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا، پروردگار! اس دکھیارے بیکس کو تیرے سپرد کرتی ہوں، یہ کہا اور روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی،

اس پایہ و مرتبہ کی ماں کی آغوش تربیت میں جس بچہ کا نشو و نما ہوگا، اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ خود کس پایہ و مرتبہ کا نکلے گا، ذہانت، ذکاوت، حافظہ، شوق علم، فہم صحیح، تمام خداداد قوتیں بچپن سے موجود تھیں، بدایوں اس زمانہ میں مرجع علماء و مرکز کاملین فن تھا، قرآن حفظ کرنے کے بعد متعدد اساتذۂ وقت کی خدمت میں تلمذ حاصل کیا، اور اکثر علوم ظاہری میں پوری دستگاہ بہم پہونچائی، اس کے بعد ذوق علم ہی کی کشش دہلی کھینچ لائی، اور یہاں بقیہ علوم کی بھی تکمیل

ہوگئی، دستار بندی بدایوں ہی میں ہو چکی تھی، دلی میں آکر فن حدیث وغیرہ کی باضابطہ سند و اجازت بھی حاصل ہوئی، علوم میں گفتگو و بحث کا بڑھا ہوا شوق دیکھکر طلبہ و علما کے طبقہ میں آپ کا نام نظام الدین بحاث پڑ گیا، ؎

ادھر علوم ظاہری میں یہ غلو و انہاک جاری تھا، اُدھر فطرت مسکرا مسکرا کر ایک دوسری زندگی کے لئے تیار کر رہی تھی، ہنوز قیام بدایوں ہی میں تھا، اور عمر بارہ سال سے زائد نہ تھی، کہ ایک قوال کی زبان سے حضرت بابا فرید گنج شکر کے کمالات سنکر دل میں غائبانہ عقیدت پیدا ہو گئی تھی، یہاں تک کہ ہر نماز کے بعد یا فرید کا وظیفہ شروع کر دیا تھا، دہلی آتے ہوئے راستہ میں حضرت موصوف کے بعض اور تذکرے سنے جن سے عقیدت کو مزید تقویت پہونچی، دہلی میں قیام شیخ نجیب الدین متوکل کے ہمسایہ میں ہوا، جو حضرت کے خلیفہ اور عزیز خاص تھے، ان کے ذریعہ سے حضرت بابا صاحب کے حالات و کمالات سن سن کر آتش شوق اور تیز ہوتی رہی، یہاں تک کہ ایک روز جامع مسجد دہلی میں ایک خوش لحن قاری کی زبان سے یہ آیہ کریمہ اَلَمْ یَانِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰه، دل بے چین ہو گیا، اور ترک تعلقات کر کے مرید ہو جانے کی تڑپ پیدا ہو گئی، لوگوں نے شیخ نجیب الدین سے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا مگر خود شیخ نے فرمایا کہ "مرید ہونا ہے تو اس وقت کے ان دو بزرگوں میں سے کسی سے بیعت ہو جاؤ، ایک حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ دوسرے حضرت بابا فرید اجودھنیؒ" دوسرے ہی روز آپ دہلی سے چل کھڑے ہوئے، تاہم یہ تشویش دل میں باقی رہی کہ ملتان و اجودھن میں سے کہاں کا راستہ اختیار کرنا چاہئے، آخر ایک شب میں سرورِ کائنات ﷺ کی زیارت خواب میں نصیب ہوئی، اور حکم ملا کہ اجودھن کا راستہ اختیار کرو، عمر کے بیسویں سال، ۱۵ رجب ۶۵۵ھ کو سفر کی آخری منزل ختم ہوئی، بعد ظہر حضرت باباصاحب کی خدمت میں حضوری ہوئی، اُدھر سے

بھی جذبۂ اشتیاق زوروں پر تھا، سلام میں خود ہی سبقت فرمائی گئی، اور نظر پڑتے ہی یہ
شعر زبانِ مبارک پر آیا:

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ

سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

بیعت کے ساتھ خلعتِ خلافت بھی مرحمت ہوئی، اور ارشاد ہوا کہ "نظام الدین! میں تو ولایتِ
ہندوستان کسی اور کو دینا چاہتا تھا کہ غیب سے ندا آئی کہ انتظار کرو، نظام بدایونی آرہا
ہے، اور وہی اس ولایت کے لائق ہے"

ایک عرصہ تک مرشد کی خدمت میں سرگرم رہنے کے بعد حسب الحکم دہلی واپس آئے
اور مجاہدات و ریاضات میں مصروف ہو گئے۔ اخفائے حال کا اس قدر اہتمام تھا کہ جہاں ایک
جگہ قیام فرمانے کے بعد لوگوں کو بزرگی کا کچھ پتہ چلنے لگتا، مکان تبدیل فرما دیتے، اور کسی دوسرے
محلہ میں اٹھ جاتے، بالآخر جب خلقت کا ہجوم زیادہ رہنے لگا تو اشارۂ غیب پا کر شہر سے باہر
غیاث پور میں سکونت اختیار فرمائی اور وہیں مدۃ العمر قیام رہا، ابتدائی زمانہ پیر و مرشد کی سنت میں
بڑی تنگی و تنگدستی میں گذرا، شروع میں کئی سال تک یہ حال رہا کہ مسلسل کئی کئی دن
تک کوئی آمدنی کہیں سے نہ ہوتی، اور فقر و فاقہ کی نوبت آتی رہتی، چند سال کے بعد مرشد
کی دعا، یا کسی مجذوب کی توجہ (حسبِ اختلافِ روایات) کی برکت سے اس کے برعکس وہ
فارغ البالی پیدا ہوئی کہ اچھے اچھے دنیا دار رئیسوں کو بھی رشک آنے لگا، باورچی خانہ دن رات
گرم رہتا تھا، لنگر ہر وقت جاری تھا، مہمان خانہ ہمیشہ مہمانوں کے ہجوم سے پُر رہتا تھا، اور
مہمانداری کا خرچ کئی ہزار ماہوار کا تھا، اس امارت و ریاست کے ساتھ، محبوبِ الٰہیؒ
کی خود اپنی یہ حالت تھی، کہ سال کے سال برابر روزے رہا کرتے تھے، اور افطار و

سحر کے وقت، موٹے قسم کی غذا، وہ بھی بہت قلیل مقدار میں نوش فرمائی جاتی تھی، یہ خوش خوری جتنی تھی سب دوسروں کے لئے تھی، اپنی ذات کے لئے اصلا نہیں، خدام پر تاکید یہ رہتی تھی کہ جو کچھ آتا رہے، روزانہ سب نکلتا بھی رہے، اور تیغ مطلق نہ ہونے پائے، جمعہ کے روز اس کا اہتمام اور زیادہ ہوجاتا تھا، اور جب تک توشہ خانہ مال وغیرہ سے بالکل صاف نہ کرا دیا جاتا، نماز جمعہ کے لئے تشریف نہ لیجاتے!

عمر بھر نکاح نہیں کیا، ساری زندگی تجرد میں گزار دی، اس لئے اولاد کا کوئی سلسلہ نہیں چلا، ایک بہن تھیں، ان کی اولاد کا سلسلہ بحمد للہ جاری ہے اور خاندان کا سلسلہ نسل اسی سے قائم ہے،

خلق کا رجوع اس کثرت سے ہوا کہ حد حساب و بیان سے خارج ہے، درویشوں اور عوام سے لیکر امراء و وزرا، اور ارکان سلطنت تک سب ہی اسی شمع کے پروانہ تھے، لیکن استغناء کا یہ عالم ہے خود کبھی کسی امیر و وزیر کے ہاں تشریف نہیں لے گئے، بعض اوقات دربار شاہی تک شکایات پہونچیں، بادشاہ کا فرمان صادر ہوا کہ کبھی کبھی دربار سلطانی میں حاضری ہوتی رہے، مگر کبھی ایسے فرمان کی تعمیل نہیں کی گئی، بارہا اس طریق عمل سے عتاب سلطانی کی نوبت آگئی، اور سخت سے سخت خطرات پیش آئے، لیکن جو گردن رب الارباب کے آگے جھک چکی تھی وہ کسی ایک موقع پر بھی کسی گردن کش سلطان و فرماں روا و وزیر و امیر کے آگے نہ جھکی، دہلی کے تخت پر جب قطب الدین مبارک شاہ بیٹھا، تو دراندازوں اور حاسدوں کے کہنے سننے میں آکر حضرت شیخ رح سے خاص عناد رکھنے لگا، پہلے اور متعدد سختیاں کیں، اس کے بعد اس پر اصرار کیا کہ اگر ہر ہفتہ نہیں تو کم از کم ہر مہینہ کی چاند رات کو تو شیخ ضرور سلام کے لئے دیوان شاہی میں حاضر ہوا کریں، معتقدوں اور مریدوں نے معاملہ کی نزاکت اور غضب سلطانی

کا اندازہ کرکے شیخ سے بہ منت و الحاح عرض کی کہ کم از کم ایک مرتبہ تو بادشاہ کی خوشی پوری کر دیجائے، یہاں تک کہ شوال کا مہینہ ختم ہوا اور ذی قعدہ کی چاندرات آگئی لیکن عین اسی شب میں بادشاہ ہی کے محبوب غلام خسرو خاں نے اپنے خنجر سے بادشاہ کا کام تمام کر دیا۔

ہجوم خلایق کے باوجود اذکار و اشغال میں ایک لمحہ کا فرق نہیں پڑنے پاتا تھا، ساری ساری رات ریاضتوں اور مجاہدوں کی نذر ہو جاتی، صبح جب حجرہ کا دروازہ کھلتا تو دیکھنے والوں کی نظر اس نورانی و روحانی ہستی پر پڑتی، جو ساری شب پلک نہ جھپکنے سے پیدا ہو گئی ہوتی، امیر خسرو نے ایک ایسے ہی موقع پر حاضری کے وقت ہستی جمال سے بیخود ہو کر یہ شعر کہا تھا،

تو شبانہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب

کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد

عمر شریف اسی سال سے گذر چکی تھی، اس کبر سنی و ضعف میں بھی دوام صوم کے معمول میں فرق نہیں آیا، شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے موثر الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

حق تعالیٰ اورا قبولے تمام داد و خاص و عام
رابو سے رجوع شد و ابواب فتوح برو سے
مفتوح گشت و عالمے از سواید احسان و انعام
او خواہد بر گرفتند، و او خود بر ریاضت مجاہدہ
می بود، گویند کہ در آخر عمر کہ سن شریفش
از ہشتاد متجاوز شدہ بود بہ غایت مجاہدہ پیش
گرفتہ بود و صوم دوام داشتی، و بوقت افطار
اندک چیز نے چشیدے، و طعامیکہ وقت سحر

حق تعالیٰ نے آپ کو نہایت مقبول بنا دیا اور خاص
و عام سب کا رجوع آپ کی طرف ہو گیا، آپ پر دروازۂ
فتوحات کھل گیا، اور ایک عالم آپ کی مہمان نوازی
اور عنایتوں سے سیراب ہونے لگا، لیکن آپ
خود برابر ریاضت و مجاہدہ میں لگے رہے، یہاں تک کہ
آخر عمر میں جب سن شریف اسی سے متجاوز ہو چکا تھا،
آپ انتہائی مجاہدوں میں مشغول رہتے تھے، اور صوم
دوام رکھتے تھے، افطار کے وقت

بودے اکثر چناں بودے کہ نخوردے، خادم عرضداشت کردے کہ مخدوم وقت افطار طعام کمتر می خورند، اگر از طعام سحر اندک تناول نہ کنند حال چہ شود، وضعف قوت گیرد، دریں محل بگریستی، و گفتے کہ چندیں مسکینان و درویشان در کنجہائے مساجد و دوکانہا گرسنہ و فاقہ زدہ افتادہ اند، ایں طعام در حلق من چگونہ فرو رود و ہمچناں طعام از پیش بر می داشتند،

بہت قلیل غذا ہوتی، اور سحری اکثر ایسا ہوتا کہ نہ کھاتے، خادم عرض کرتے، کہ افطار ہی کے وقت کیا غذا ہوتی ہے اگر سحری بھی چھوٹ گئی تو ضعف و نقاہت سے کیا حال ہوگا، یہ سنکر وہ مخدوم رونے لگتے، اور فرماتے کہ اتنے فقیر اور محتاج مسجدوں اور دوکانوں میں بھوکے پڑے ہیں، میرے حلق سے نوالہ کیونکر اتر سکتا ہے،" یہ فرماتے اور کھانا سامنے سے ہٹا دیتے،

نماز و عبادت کی حالت یہ تھی کہ ساری ساری رات اسی کے نذر ہو جاتی تھی، نماز جماعت کا یہ اہتمام تھا کہ پچاسی نوے سال کی عمر میں ضعف و نقاہت کے باوجود، بالاخانہ سے نیچے شریک جماعت ہونے کے لئے تشریف لایا کرتے تھے، کثرت صوم کا یہ عالم تھا کہ ساری عمر گویا روزہ ہی میں گذاری یعنی سال کے وہ پانچ دن چھوڑ کر جنہیں روزہ رکھنا ممنوع ہے، باقی پورے سال کے سال روزہ ہی رکھتے تھے، عمر کی زیادتی کے ساتھ ساتھ غذا میں کمی فرماتے گئے، یہاں تک کہ ضعیفی میں خدام جب کھانا پیش کرتے تو آپ ایک روٹی یا آدھی روٹی یا کوئی بدمزہ ترکاری مثل کریلا وغیرہ کے نوش فرما لیتے، باقی سب لذیذ و نفیس غذائیں شریک خوان پر بیٹھنے والوں کی نذر رہتی تھیں، اصرار کر کرکے انھیں کھلاتے، گرسنگی اور سیری، اور خواب و بیداری کی تقریباً ایک حالت ہو گئی تھی،

عموماً معمول یہ رہتا تھا کہ دن بھر کے روزہ کے بعد بعد مغرب بالاخانہ پر تشریف لیجاتے، وہیں مریدوں اور مہمانوں کا مجمع ہوتا۔ دسترخوان پر رنگ رنگ کی غذائیں میوے

اور شیرینیاں ہوتیں، وہ سب دوسروں کی نذر ہوتیں، عشاء کے لئے نماز جماعت ادا کرنے کو نیچے تشریف لاتے اس کے بعد پھر اوپر تشریف لیجاتے، اس وقت صرف مخصوص مریدوں کو باریابی کی اجازت تھی، اکثر امیر خسروؒ حکایات و لطائف سناتے رہتے، اور حضرت تسبیح خوانی میں مصروف رہتے، کچھ دیر کے بعد یہ تخلیہ کی مجلس بھی برخاست ہوتی، خادم خاص خواجہ اقبالؒ چند لوٹوں میں پانی بھر کر رکھدیتے، کہ صبح تک کئی بار وضو کی ضرورت ہوگی، حضرت اندر سے دروازہ بند کر کے نماز، اوراد، اذکار میں مشغول ہو جاتے، سحری کے وقت ایک دوسرے خادم عبد الرحیمؒ ناشتہ لیکر حاضر ہوتے، آپ دروازہ کھول کر کھانا اکثر واپس فرما دیتے، کبھی برائے نام کچھ نوش فرما لیتے، گریہ کثرت سے طاری رہا کرتا، خدام نے دن اور رات کے دوسرے وقتوں کے علاوہ سحری کے وقت بھی گریہ کرتے ہوئے پایا، بعض خدام نے دسترخوان پر ادھ چبے نوالے پائے، دریافت سے پتہ چلا کہ جو لقمہ لذیذ معلوم ہوتا ہے اسے دہانِ مبارک سے واپس نکال کر رکھدیا جاتا ہے،

وفات سے چالیس روز قبل غذا بالکل ترک فرما دی تھی، کھانے کی خوشبو تک گوارا نہ تھی، گریہ زاری بہت بڑھ گئی تھی، نفل نمازوں میں سجدے بہت کثرت سے فرمانے لگے تھے، نماز سے فراغت کے بعد دریافت فرماتے، کہ "نماز میں نے پڑھ لی ہے؟" اور جب جواب ملتا کہ "پڑھ لی ہے" تو یہ کہکر کہ "پڑھ لوں، خیر نہیں پھر بھی پڑھو نگا یا نہیں" پھر پڑھنے لگ جاتے، جب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت بہت قریب آ گیا، تو اقبال خادم کی طرف اشارہ کر کے سب لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ "اس نے کوئی چیز گھر میں باقی رکھی تو قیامت میں اس کی ذمہ داری اس کے اوپر ہے" خادم نے تھوڑی دیر کے بعد عرض کیا، کہ "درویشوں کی خوراک کے لئے کچھ غلہ رکھ لیا ہے، باقی اور سب کچھ تقسیم کر دیا ہے،" ناخوش ہو کر فرمایا کہ "اس غلہ کو ابھی لٹا دو، اور توشہ خانہ میں جھاڑو پھیر دو،" چنانچہ فی الفور تعمیل ہوئی وفات حسب روایت صحیح چہارشنبہ

۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ کو بعمر ۹۰ سال طلوعِ آفتاب کے بعد ہوئی، مقبرہ کی عالیشان عمارت زندگی ہی میں بادشاہِ وقت یا کسی امیر نے (بہ اختلافِ روایت) بنوادی تھی، مگر اس میں دفن ہونا پسند نہ فرمایا، اس عمارت کو حسبِ وصیت مسجد بنادیا گیا، اور اس کے صحن میں تدفین ہوئی، مشہور ہے کہ شروع میں تربت خام اور قبر نمایاں تھی، پختہ مزار اول بار تیمور کے حکم سے بنا، موجودہ عمارت مختصر ہونے کیساتھ ہی نہایت دلکش و دلکشا ہے، اور بعض اہلِ کشف کے قول کے مطابق، ایک غیر معمولی کشش اور جاذبیت اپنے اندر رکھتی ہے،

مشہور مریدوں میں مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ، امیر خسروؒ، میر حسن علاء سجزیؒ، شیخ مبارک گوپاموی، مولانا فخر الدین زرادیؒ، مولانا شمس الدین یحییٰؒ ہوئے ہیں، ایک ضعیف روایت میں ہے کہ مخدوم شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی بھی آپ کے مرید تھے، خلافت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ کو ملی،

(۲) تصنیف

خواجگانِ چشت کے "پنجتن پاک" نے اپنی تعلیمات و ہدایات کی کوئی یادگار کسی مستقل تصنیف کی شکل میں نہیں، بلکہ اپنے ملفوظات کے قالب میں چھوڑی تھی، مختلف مجلسوں میں جو کلماتِ طیبات زبانوں سے نکلتے تھے، مریدانِ باصفا انھیں قلمبند کرلیتے تھے، اور مرتب کرکے انکا نام ملفوظ رکھدیتے تھے، ہر شیخ کے ان ارشادات کو جمع اور مرتب کرنے والے وہ بزرگ رہے ہیں جو خود آگے چلکر خدا معلوم کتنوں کے مرشد ثابت ہوئے ہیں، چنانچہ حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ کے ملفوظات خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے اور ان کے ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اور ان کے ملفوظات بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے اور ان کے ملفوظات شیخ بدر الدین اسحاقؒ اور خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ نے جمع فرمائے، چراغ سے چراغ اسی طرح جلتا رہا، اور انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین، اور اسرار الاولیا

دراحت القلوب کے نام سے سلسلۂ چشتیہ کے اکابر اربعہ کے ملفوظات گرامی کا ذخیرہ جمع ہو گیا،
اکابر خواجگانِ چشت کے سلسلہ کے خاتم حضرت سلطان المشایخ نظام الدین محبوب الٰہیؒ تھے
آپ کے ملفوظات کے جمع کرنے کی سعادت ایک سے زائد مریدانِ با اخلاص کے حصہ میں
آئی، چنانچہ امیر خسروؒ نے دو جداگانہ ملفوظات، راحت المحبین، اور افضل الفوائد کے نام سے جمع کئے
اور ایک ملفوظ شیخ علی محمود جاندارؒ نے درر نظامی کے نام سے مرتب کیا جو ابتک غیر مطبوع ہے؛
لیکن تمام ملفوظات نظام الاولیاء میں سب سے بہتر اور سب سے زیادہ مستند وہ ملفوظ قرار پایا جسے
مرید با اختصاص، میر حسن علاء سجزیؒ نے فوائد الفواد کے نام سے جمع و تالیف کیا، اہلِ دل کے نزدیک
یہ کتاب گویا چشتیہ نظامِ تصوف کا ایک مکمل دستور العمل ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس کا
تذکرہ کرکے لکھتے ہیں:-

آں کتاب درمیان خلفا و مریدان شیخ نظام الدین دستور است۔ (اخبار الاخیار ص۹۰ مطبع مجتبائی دہلی)

اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں:-

"فوائد الفواد، دستور العمل سلوک است و بہ غایت خوب، ہر چند خسرو ہم ملفوظ جمع کردہ لیکن آں قدر مقبول نیست" (ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، ص۲۳ مطبع مجتبائی میرٹھ)
"کتاب فوائد الفواد نہایت معتبر است و آں وقت دستور العمل بود مگر دیگر ملفوظات مشتبہ است غالب کہ نہ باشد" (ایضاً ص۸۵)

اور یہ اعترافات تو صدیوں بعد کے ہیں، اسی زمانہ کے ایک عارف کا اقرار ملاحظہ ہو؛

---

[1] میں نے قلمی نسخہ جو اغلاط کتابت سے معمور ہے، آستانۂ نظامیہ کے ایک خادم سید علیم الدین صاحب نظامی کے پاس دیکھا ہے، اور ان کی عنایت سے اس سے مستفید ہوا ہوں،

"امروز آں فوائد الفواد مقبول اہل وہان عالم شدہ است و دستور عاشقاں گشتہ و شرق و غرب عالم گرفتہ" (سیر الاولیاء میر خورد دہلوی، ص ۳۰۲، مطبوعہ دہلی)

خود امیر خسروؒ کی بابت منقول ہے، کہ وہ رشک سے ٹھنڈے سانس کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ کاش میری تمام تصانیف حسنؒ کے نام سے ہوتیں اور ان کی یہ ایک کتاب میرے نام سے[1] یہ بھی روایات میں آیا ہے کہ حسنؒ نے اسی ملفوظ کو مرتب کر کے مرشد کی خدمت میں پیش کیا، اور وہاں سے پروانۂ قبول و سندِ پسندیدگی حاصل ہوئی[2]

پیشِ نظر نسخہ مطبع نولکشور کا مطبوعہ متوسط تقطیع پر دو سو ساٹھ صفحہ کی ضخامت کا ہے، اور پانچ حصوں میں تقسیم ہے، پہلا حصہ ص ۱ تا ۴۱ ہے، اس میں شعبان ۷۰۷ھ سے لیکر ذی الحجہ ۷۰۸ھ ۳۴ مجلسوں کا ذکر ہے حصہ دوم (ص ۴۲ تا ۱۰۰) میں شوال ۷۰۹ھ سے شوال ۷۱۲ھ تک ۳۸ مجلسوں کے تذکرہ ہیں، حصہ سوم (ص ۱۰۱ تا ۱۳۰) میں ذی قعدہ ۷۱۲ھ سے ذی الحجہ ۷۱۳ھ تک ۱۵ مجلسوں کا بیان ہے، حصہ چہارم (ص ۱۳۱ تا ۲۱۷) میں محرم ۷۱۴ھ سے رجب ۷۱۹ھ تک ۴۲ مجلسوں کے مذاکرے ہیں، حصہ پنجم (ص ۲۱۸ تا ۲۶۰) میں شعبان ۷۱۹ھ سے رجب ۷۲۲ھ تک ۴۱ مجلسوں کے ارشادات جمع ہیں، اس طرح کل ۱۸۸ مجلسوں اور صحبتوں کی گفتگوئیں درج ہیں، اور زمانہ کے لحاظ سے یہ مدت پندرہ سال تک پھیلی ہوئی ہے، گو درمیان میں وقفہ بھی خاصہ طویل طویل رہا اور یہ مدت مسلسل نہیں حضرت شیخؒ کا زمانۂ وفات ربیع الثانی ۷۲۵ھ ہے، گویا ان ملفوظات کا سلسلہ وقتِ وفات سے دو ڈھائی سال قبل تک کا ہے،

ظاہر ہے کہ کتاب محض مجموعۂ ملفوظات ہے، یعنی جو ارشادات شیخؒ کی زبان مبارک سے

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۱۰۱، و سیر الاولیاء ص ۳۰۲۔

[2] خزینۃ الاصفیا، غلام سرور لاہوری، جلد اول ص ۳۳۴، نولکشوری،

مختلف صحبتوں اور مجلسوں میں نکلے، انھیں قلمبند کر کے یکجا کر دیا گیا ہے، اس لئے جو اندازِ بیان اور اسلوبِ ترتیب ایک تصنیف کا ہوتا ہے، اس کی تلاش ہی ایسی عبث ہے، انداز و اسلوب سے قطع نظر کر کے مغز و مطالب کے لحاظ سے بھی ظاہر ہے کہ گفتگو ئیں کسی عام جلسہ میں نہیں، منبر و خطبہ پر نہیں بلکہ محض مریدوں اور حلقہ بگوشوں کے مختصر حلقہ کے سامنے ہوتی تھیں، اس لئے قدرۃً اس کے موقع بہت زائد تھے، کہ اگر تصوف، شریعت اسلامی کے مخالف کسی شئے کا نام ہوتا، تو اس کے مخصوص عقائد و ارکان و اعمال کی تبلیغ اپنے مخصوص معتقدین کے سامنے بے خوف اور بے دھڑک کیجاتی، پھر آفتابِ رسالت صلعم کو بھی غروب ہوئے سات سو سال کی مدت گذر چکی تھی، ہر قسم کی بدعات زور و شور کے ساتھ پھیل چکی تھیں، اور دین اچھی طرح رنگ آمیزیوں کا مجموعہ بن چکا تھا، ان حالات میں توقع تو یہی قائم ہو سکتی ہے، کہ اس ملفوظ میں شریعت سے ہٹ کر کسی جدید طریقت کی تلقین کی گئی ہوگی، اور ارکانِ دین سے بے پروائی برت کر تصوف و فقر کے نئے نئے اصول و ارکان سکھائے گئے ہوں گے!

ان توقعات کے ساتھ کتاب کھولئے، تو چند ہی سطروں کے بعد نظر اس عبارت پر پڑتی ہے، اور پڑھتے ہی جم جاتی ہے، کہ:۔

سخن در تزکیہ نفس افتاد، بر لفظ مبارک راند کہ کمال مرد در چہار چیز می شود، قلۃ الطعام وقلۃ الکلام، وقلۃ الصحبۃ مع الانام وقلۃ المنام (ص ۳)

ایک روز تزکیۂ نفس پر گفتگو تھی، ارشاد ہوا، کہ کمال ان چار چیزوں سے پیدا ہوتا ہے، کم کھانے سے کم بولنے سے، کم ملنے جلنے سے، اور کم سونے سے،

یہ نہیں ارشاد ہوا کہ خوب دھوم دھام سے عرس کرنے سے، قبروں پر خوب چراغاں کرنے سے، مزارات کو غسل دینے سے، ان پر خوب اونچے اونچے قبے بنانے سے، گاگر اور چادر اور صندل اٹھانے سے، شیرینیوں کا ڈھیر تربتوں پر لگا دینے سے کمال حاصل ہوتا ہے، بلکہ حصولِ کمال

کی راہیں ٹھیک وہی بتائیں جو دنیا کے سب سے بڑے معلّم اور مرشدِ اعظم صلعم اور اس کے شاگردوں اور مریدوں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کی راہیں تھیں، یعنی کم خوری، کم سخنی، کم آمیزی اور کم خوابی، کیا سرورِ کائنات صلعم اور صحابۂ کرامؓ میں کسی کا طریقہ (نعوذ باللہ) اس کے برعکس بہت زیادہ کھانے، بہت زیادہ باتیں کرنے، بہت زیادہ اور بے ضرورت میل جول، اور بہت زیادہ سونے کا تھا،

جامعِ ملفوظات، کتاب کے شروع میں، ہر مجلس میں جب جب اپنی حاضری کا ذکر کرتے ہیں تو وقتِ حاضری، قبل نماز یا بعد نماز ہی بتاتے ہیں، گویا نظامِ اوقات کا محور یا مرکز نماز ہی تھی بعد کی مجالس میں اس تصریح کا التزام غالباً غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا، مجالس میں کبھی کبھی اور اتفاقاً سے نہیں، بلکہ بہ کثرت اور بار بار جن چیزوں کا ذکر ملتا ہے، وہ نماز اور روزہ ہیں، نوافل وسنن ہیں، اور قرآن و تراویح ہیں، اور احترامِ شریعت و اتباعِ سنت کی تاکیدیں ہیں۔

فقر و تصوف، آپ کی نظر میں صرف وجد و حال کا نام نہ تھا، بلکہ ظاہر و باطن دونوں کی آراستگی، کا نام تھا، فرماتے تھے، کہ:۔

خلق بر چہار نوع است، بعضے آں چناں اند کہ ظاہرِ ایشاں آراستہ و باطن خراب و بعضے آنچناں اند کہ ظاہرِ ایشاں خراب و باطن آراستہ و بعضے را ظاہر و باطن خراب باشد و بعضے را ظاہر و باطن آراستہ، طائفہ کہ ظاہرِ ایشاں آراستہ باشد و باطن خراب آں قوم متعبداں اند کہ طاعت بسیار کنند و دل ایشاں مشغول دنیا باشد و طائفہ کہ باطنِ ایشاں آراستہ باشد

لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جنکا ظاہر آراستہ اور باطن خراب ہوتا ہے، دوسرے وہ جنکا ظاہر خراب اور باطن آراستہ، تیسرے وہ جن کا ظاہر و باطن دونوں خراب، چوتھے وہ جنکا ظاہر و باطن دونوں آراستہ، اب جن کا ظاہر آراستہ اور باطن خراب، وہ لوگ متعبد کہلاتے ہیں کہ گو طاعت بہت کرتے رہتے ہیں لیکن ان کا دل دنیا میں مشغول رہتا ہے، اور دعا

وظاہر خراب آں مجانین اندکہ درونِ ایشاں
باحق مشغول باشد ودرظاہر سروسامان نباشد
وطائفہ کہ ظاہر وباطنِ ایشاں خراب باشد
آں عوام اند وطائفہ کہ ہم ظاہر ایشاں آراستہ
باشد وہم باطن آں مشائخ اند (صفحہ ۱)

جن کا باطن آراستہ اور ظاہر خراب ہے، وہ مجانین
(مجذوب) ہوتے ہیں، کہ ان کا دل حق سے لگا
ہوتا ہے لیکن عمل ظاہری نہیں رکھتے، اور جن کے
ظاہر و باطن دونوں خراب ہیں وہ عوام ہیں، اور جن کے
ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہیں وہی مشائخ و فقراء ہیں۔

صوفی و مشائخ ہی ہیں کہ عموماً احکام شریعت کے پورے پابند ہیں، بلکہ فرائض کسی وقت بھی ان سے ترک نہیں ہوتے، استغراق و تحیر کا مقام ایسا ہے کہ اس مقام کے لئے اگر تکلیفات شرعیہ کے ساقط ہو جانے کا دعویٰ کیا جائے، تو شاید یہ آسانی چل جائے لیکن حضرت نظام الاولیاء کی غیرت ایمانی کو اس قدر رعایت بھی گوارا نہیں، ایک مرتبہ مجلس میں ان متحیروں کا ذکر ہو رہا تھا جو دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر رہتے ہیں، ایک صاحب نے اپنا مشاہدہ عرض کیا، کہ میں نے فلاں مقام پر چند متحیروں کو دیکھا، جو آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے شب و روز عالم حیرت میں رہا کرتے تھے، لیکن جب نماز کا وقت آتا تھا، تو فوراً نماز پڑھ لیتے تھے، اور اس کے بعد پھر اپنے اسی عالم تحیر میں واپس پہنچ جاتے تھے، خواجۂ خواجگان چشت نے اس کی تصدیق فرمائی، اور ارشاد فرمایا۔

ہمچنیں باشد کہ گفتی اگرچہ شب و روز متحیر باشند
اما نماز ایشاں فوت نہ شود، از جہت ایں
تحیر حکایت شیخ الاسلام حضرت قطب العالم
خواجہ قطب الدین بختیار اوشی فرمود
قدس اللہ سرہٗ کہ او را ہمچنیں چہار شبانہ

بیشک ایسا ہی ہوگا، جیسا تم نے کہا، متحیر دن
رات رہیں، لیکن ان کی نماز نہیں قضا ہونے پاتی
اسی سلسلہ میں شیخ الاسلام حضرت خواجہ قطب الدین
بختیار اوشی کے تحیر کی حکایت بیان فرمائی
کہ وفات کے وقت مسلسل چار شب و

روز تحیر بود در وقت نقل (ص ۱۷۱) — روز ان پر تحیر طاری رہا

خواجہ قطب الدین بختیار رحؒ کے وصال کی حکایت عام طور پر مشہور ہے، یعنی محفلِ سماع برپا تھی، قوال جب غزل کے اس شعر پر پہونچا، ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

تو قطب عالم کی حالت متغیر ہونا شروع ہوئی، جب خانقاہ سے گھر لائے گئے تو،

چوں ازآں مقام بہ خانہ آمد مدہوش ومتحیر بود، می فرمود کہ ہمیں بیت بگویند ہمیں بیت پیش او می گفتند، او ہمچناں متحیر می بود چوں وقت نماز در می آمد نماز می گزارد و باز ہمیں بیت بگویانید حالتے و حیرتے پیدا می آمد چہار شبانہ روز ہم بریں حال بود شب پنجم رحلت نمود (ایضاً)

اس وقت مدہوش ومتحیر تھے، اور کہے جاتے تھے کہ اسی شعر کی تکرار کئے جاؤ، تکرار ہو رہی تھی، اور وہ اسی طرح مدہوش تھے، جب نماز کا وقت آتا نماز پڑھ لیتے تھے، اور پھر اسی شعر کی تکرار کرنے لگتے تھے اور حال وحیرت کا عالم ان پر طاری ہو جاتا تھا، چار شب و روز برابر یہ حالت رہی، پانچویں شب کو انتقال فرمایا۔

احترام واتباعِ شریعت کی یہ انتہائی مثال ہے کہ باوجود بے خبر اور بے ہوش ہونے کے نماز کے لئے ہوش اور باخبری بہرحال باقی رہتی ہے، ایک یہ سرتاج چشتیہ بہشتیہ کی مستی و بیخبری تھی، کہ اپنے کھانے پینے، سونے جاگنے، پہننے اوڑھنے سے یکسر مدہوش و بیخبر لیکن اللہ کے باندھے ہوئے فرض کے لئے باہوش، باخبر! اور ایک آج کل کے مست وقلندر صوفی ہیں، کہ اپنے ہر آرام وآسائش، ہر لطف ولذت کا ہوش، اور صرف اللہ کے باندھے ہوئے فرائض کے باب میں مدہوش و بیخبر!

جس وقت خاص شفقت والتفات فرماتے تھے، اس وقت بھی تاکید، طاعت و عبادت ہی کی ہوتی تھی، جامعِ ملفوظات کہتے ہیں کہ ۱۵ر شعبان ۶۶۶ھ کو جب حضوری نصیب ہوئی تو

بندہ را پیش طلبید، فرمود کہ باید کہ مشغول پیوستہ بہ طاعت و عبادت باشی بہ اوراد و ادعیہ راگرچہ ہم مطالعہ کتاب مشایخ باشد مشغول باشی و بیکار نہ باشی،	بندہ کو اپنے پاس طلب فرمایا اور ارشاد کیا کہ ہمیشہ طاعت و عبادت میں اوراد اور دعاؤں کے ذریعہ سے مشغول رہنا چاہئے خواہ کتب مشائخ ہی کا مطالعہ جاری رکھو لیکن بہرحال مشغول رہو بیکار نہ رہو،
(ص ۲۴)	

اسی طرح ۹ ؍ جمادی الآخر ۷۰۸ھ کی مجلس کے تحت میں مذکور ہے کہ سعادت قدمبوسی حاصل ہوئی، نماز جماعت کے فضائل کا تذکرہ ہوا، بندہ سے ارشاد ہوا کہ نماز باجماعت ہی پڑھنا چاہئے، بندہ نے عرض کیا کہ میرے مکان کے قریب مسجد ہے لیکن جس مکان میں ہم لوگ رہتے ہیں اگر وہاں سے ہم اٹھکر چلے جائیں تو کاغذ و کتاب وغیرہ کی حفاظت کے لئے کوئی موجود نہیں رہتا، اس لئے مکان ہی پر جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں، ارشاد ہوا کہ جماعت سے ضرور پڑھنا چاہئے، اور بہتر یہی ہے کہ مسجد میں پڑھی جائے، (ص ۱۰۱) ہمارے زمانہ کے کتنے مشائخ ہیں جن کے نزدیک سرے سے نماز ہی غیر ضروری ہے، جماعت کی تاکید اور مسجد کی اہمیت کا بھلا کیا ذکر ہے!

آج سجادگی کے لئے جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں، گدی نشینی کے لئے مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں، اور نذر و نیاز اور چڑھاوے کی آمدنیوں کے حصہ تقسیم ہوتے وقت کیا کچھ نہیں ہوتا، اور اس حب دنیا کا نام "تصوف" رکھ لیا گیا ہے، حضرت سلطان المشائخ ایک اور بزرگ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ اوراد و تسبیح، نماز و روزہ ان سب کی مثال دیگ کے مصالحہ کی ہے، اور دیگ کا گوشت ترک تعلق دنیا ہے، جس طرح محض گھی اور نمک اور مصالحہ ڈال دینے سے بغیر گوشت ملائے ہوئے شوربہ تیار نہیں ہو سکتا، اسی طرح بغیر ترک حب دنیا

کے سارے اعمال بے نتیجہ ہیں لیکن گوشت اگر موجود ہے تو سب کچھ موجود ہے'' اسی طرح ترکِ دنیا اگر موجود ہے تو بجائے خود کافی ہے لیکن خود ترکِ دنیا کا کیا مفہوم ہے؟ کیا اس سے جوگیوں اور راہبوں کے طریقہ مراد ہیں؟ تصوفِ اسلام کا یہ امام اس کی وہی تشریح کرتا ہے جو اس کے آقا و مخدوم رسولِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی تھی:-

ترکِ دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند	ترکِ دنیا کے معنی یہ نہیں کہ اپنا لباس اتار دیا جائے
مثلاً لنگوٹہ بہ بندد و بنشیند ترکِ دنیا آں ست	اور انسان لنگوٹہ باندھکر بیٹھ رہے، ترکِ دنیا کے
کہ لباس بپوشد و طعام بخورد، اما آنچہ میرسد	معنی یہ ہیں کہ انسان لباس بھی پہنے، اور کھانا
روا بدارد، و بہ جمع او میل نہ کند و خاطر را تعلق	بھی کھائے، البتہ جو کچھ کمائے برابر خرچ کرتا رہے
چیزے ندارد ترکِ دنیا است۔	جوڑ جوڑ کر نہ رکھے، اور دل کو کسی چیز میں اٹکائے
(ص ۶)	نہ رکھے، یہ ہے ترکِ دنیا۔

تصوفِ اسلام کے اوراق میں بار بار کہا جا چکا ہے، کہ طریقت، شریعت سے جدا اور مخالف نہیں، بلکہ شریعت ہی کے مغز یا عطر یا روح کا نام ہے، فقہاء نے شریعت کے صرف ظاہری پہلو کو لے لیا، اور فقراء نے اپنی نظر باطنی پہلو پر رکھی، محبوبِ الٰہیؒ کے ملفوظ مبارک میں بار بار اسی خیال کی تکرار ملتی ہے، ایک روز حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی حکایت بیان فرمائی، کہ آپ سیاحی کرتے ہوئے بدایوں وارد ہوئے، اور یہاں قیام فرمایا، ایک روز حاکم شہر کے مکان پر جو قاضی تھے، ملنے کو گئے، خدمت گاروں نے کہا کہ اس وقت قاضی صاحب نماز میں مشغول ہیں، شیخؒ نے تبسم کے ساتھ فرمایا، قاضی صاحب نماز پڑھنا جانتے بھی ہیں؟ دوسرے روز قاضی صاحب شیخؒ کے مکان پر آئے، اور کہا کہ کل آپ نے یہ کیسے فرما دیا تھا کہ قاضی نماز پڑھنا جانتے بھی ہیں؟ میں تو مسائلِ نماز و احکام پر متعدد کتابیں تصنیف

کرچکا ہوں، شیخؒ نے کہا کہ "عالموں کی نماز دوسری ہوتی ہے اور فقیروں کی دوسری" قاضی صاحب بولے کہ کیا فقیر کوئی اور قرآن پڑھتے ہیں، یا رکوع اور سجدہ کسی نئے طریقہ پر کرتے ہیں؟ شیخؒ نے فرمایا کہ "عالموں کی نماز بس اسی قدر ہے کہ کعبہ کو نظر میں کرلیا، یا اگر دور ہیں تو جہت کعبہ کو، اور اگر یہ بھی نہ معلوم ہوسکا تو اندازے سے جہت کعبہ کو تصور کر کے نماز شروع کردی، لیکن فقیروں کی نماز یوں نہیں ہوتی، وہ جب تک عرش الٰہی پر نظر نہیں جما لیتے، نماز نہیں شروع کرتے" (ص ۲۳۶-۲۳۷) نماز میں حضورِ قلب کی اس سے زیادہ تاکید اور اس سے بہتر تفسیر کوئی کیا کرسکتا ہے؟

آج عبادت وریاضت واداے فرائض واتباعِ شریعت سے بچنے کے لئے ایک لفظ "عشق ومحبت" گڑھ لیا گیا ہے، اور ہر نافرمانی کو اسی پردہ میں چھپا لیا جاتا ہے، لیکن صدقِ محبت کی تشریح ذرا عاشقوں کے اس سردار کی زبان سے ملاحظہ ہو:-

صدقِ محبت متابعت ست، چوں کسے محبِ ایشاں شد ہر آئینہ متابعت ایشان کند وانا شایستہ دور باشد، چوں ایں چنیں شود ہر آئینہ گناہ نہ نویسند آں گاہ فرمود کہ تا محبتِ حق در غلافِ قلب باشد امکانِ معصیت ہست، اما چوں محبت در سویدا قلب در آید بیش امکانِ معصیت نہ باشد۔ (ص ۲۱)

محبت کی سچائی متابعت سے ظاہر ہوتی ہے جب کوئی اس سے محبت کریگا، تو یقیناً ان کی متابعت بھی کریگا، اور اعمالِ ناشایستہ سے دور رہے گا، اور جب ایسا ہوگا تو لامحالہ اس کے گناہ بھی نہ لکھے جائیں گے، پھر ارشاد ہوا کہ محبتِ حق جب تک غلافِ قلب میں ہے، گناہ کا امکان باقی ہے، لیکن جب محبت سویدائے قلب میں داخل ہوجاتی ہے، تو معصیت کا امکان نہیں باقی رہتا۔

آج کتنے مدعیانِ فقر وتصوف کے نزدیک طریقت، خصوصاً طریقتِ چشتیہ کا دار و مدار

قوالی کی محفلوں اور سارنگی اور ہارمونیم کی آوازوں پر رہ گیا ہے، لیکن سلسلۂ چشتیہ کے اس آفتاب کے نزدیک سماع کا مزامیر کے ساتھ سننا قطعاً جائز ہی نہ تھا، ایک روز حاضرین

یکے از حاضران گفت کہ ہمدریں روزہا بعضے از درویشاں آستانہ دار در مجمعے کہ چنگ و رباب و مزامیر بود رقصہا کردند خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ نیکو نہ کردہ اند، آنچہ نا مشروع ست ناپسندیدہ ست، (ص۲۲۴)

محفل میں سے ایک شخص نے کہا کہ ایک روز آستانۂ مبارک کے حاضر باش بعض درویش ایسے مجمع میں جس میں رباب و مزامیر تھے، رقص کر رہے تھے، حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ "برا کیا، جو شے نا مشروع ہے نا پسندیدہ ہے،

جب یہ درویش لوٹ کر آئے تو ان سے دریافت کیا گیا کہ اس مجلس میں مزامیر بھی تھے تم نے سماع کیسے سنا؟ انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ "ہم سماع میں اس قدر مست و مستغرق تھے کہ مزامیر کے ہونے نہ ہونے کا پتہ ہی نہ چلا، حضرت خواجہؒ نے ارشاد فرمایا "یہ جواب کچھ بھی نہیں، وہ عمل معصیت ہی میں لکھا جائیگا"، (ص۲۲۴) اسی طرح ایک دوسرے موقع پر بھی ذکر ہے کہ کسی شخص نے آکر خدمتِ عالی میں عرض کی کہ فلاں مقام پر آپ کے بعض مرید مزامیر کے ساتھ سماع سن رہے تھے، حضرتؒ نے ناپسندیدگی کے ساتھ فرمایا کہ "انھوں نے برا کیا، میں منع کر چکا ہوں کہ مزامیر نہ ہونی چاہئے"، اس کے بعد اس باب میں یہاں تک تاکید فرمائی اور اتنی احتیاط کے لئے ارشاد فرمایا کہ "اگر نماز جماعت کے ساتھ ہو رہی ہو، اور جماعت میں عورتیں بھی شامل ہوں، اور نماز میں امام کو سہو ہو، تو مرد تو سبحان اللہ کہکر اسے متنبہ کر سکتے ہیں، لیکن عورت اگر لقمہ دینا چاہے تو آواز سے نہ کہے بلکہ اس کی آواز غیر مردوں کے کان میں جائیگی، بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر امام کو متنبہ کرے، لیکن اس میں بھی یہ احتیاط رکھے کہ ہتھیلی پر ہتھیلی نہ مارے کہ یہ تالی بجانے کی شکل ہے، جو داخلِ لہو ہے، بلکہ ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی کی

پشت پر مارے، جب ملاہی میں یہ احتیاط ہے کہ ڈھنگ تک کی اجازت نہیں تو مزامیر کیونکر جائز ہو سکتے ہیں۔ (ص۵۹)

حضرت خواجہ سماع سنتے رہتے تھے، لیکن آپ کے نزدیک سماع کن کن شرائط و قیود کے ساتھ جائز تھا، ذرا اسے بھی سن لیا جائے، فرماتے تھے :-

گفت ہر گاہ کہ چند چیز جمع شود سماع آنگاہ شنود، و آں چند چیز چیست، مسمع و مسموع و مستمع و آلت سماع، آنگاہ ایں تقسیم را فائدہ فرمود و گفت کہ مسمع گوئندہ است اد می باید کہ مرد باشد و مرد تمام بود کودک نہ باشد و عورت نہ باشد، مسموع آنچہ می گوئند باید کہ ہزل و فحش نہ باشد، مستمع آنکہ می شنود او ہم باید کہ بحق شنود و مملو از یاد حق باشد، آلت سماع چوں چنگ و رباب و امثال آں باید کہ درمیاں نہ باشد ایں چنیں سماع حلال ست، (ص۲۴۶)	جب چند شرائط جمع ہو جائیں، اس وقت سماع سنے، وہ چند چیزیں ہیں کیا؟ مسمع، مسموع، مستمع، آلۂ سماع، پھر اس تقسیم کی شرح یوں فرمائی، کہ مسمع سے مراد قوال ہے، اور قوال کو مرد اور مرد بالغ ہونا چاہئے یعنی عورت اور نامرد نہ ہو، مسموع سے مراد کلام ہے، کلام میں ہزل و فحش کی آمیزش نہ ہونا چاہئے، مستمع سے مراد سننے والا ہے اسے چاہئے کہ حق کے لئے سنے اور اس کا دل یادِ حق سے لبریز ہو، اور آلۂ سماع مثل چنگ و رباب وغیرہ کے کچھ موجود نہ ہو جب یہ شرائط جمع ہوں تو وہ سماع حلال ہوگا،

آج کتنے اعراس کی محفلوں میں، یہ شرائط پورے نہ سہی، کسی حد تک بھی لحاظ رکھے جاتے ہیں؟ آج کتنے سماع خانوں کی مجلسیں اس معیار پر پوری اترتی ہیں؟ لیکن ایسے خالص و پاکیزہ سماع کے باب میں بھی قول فیصل سن لیجئے :-

سماع صوتے ست موزوں حرام چرا باشد	سماع نام ہے آواز موزوں کا محض اس کی حرمت

دیگر تحریک قلب ست، اگر آں تحریک بہ یاد حق باشد مستحب است و اگر میل بہ فساد باشد حرام بود۔ (ص ۲۴۶)

(کی کوئی وجہ نہیں، لیکن اسی کے ساتھ قلب کو بھی تحریک ہوتی ہے، اگر یہ تحریک یاد حق کی ہے تو مستحب ہے لیکن اگر مائل بہ فساد ہے تو حرام ہے)

یہ ہجرت نبوی سے سات سو سال بعد والا ہندی تصوف ہے، جس میں ہندی اور عجمی غیر اسلامی عنصروں کی آمیزش بہ کثرت ہو چکی تھی، آج کا تصوف، پہلی صدی ہجری کے مطابق نہ سہی، کاش آٹھویں صدی ہی کے معیار کے مطابق ہوتا!

باب (۷)

منطق الطیر

شیخ فریدالدین عطارؒ

اب تک جن تصانیف سے تعارف ہوا سب نثر کی تھیں، لیکن قدماہی کے دور آخر میں معارف ایمانی وحقایق روحانی کو نظم میں ادا کرنے کی بنیاد پڑ چکی تھی، جسے متوسطین نے معراجِ کمال پر پہونچایا، سنائی، مغربی، عراقی، نظامی، سلطان ابوسعید، خسرو، جامی، یہ سب نثر سے کہیں زیادہ آزادی وبے تکلفی کے ساتھ نظم میں اسرار ومعارف کو بیان کرتے ہیں، اور مولانا رومیؒ نے تو زبانِ شعر کو الہامی بنادیا، شیخ فریدالدین عطارؒ بھی اسی جماعت کے ایک مقتدر رکن اور دورِ قدما کی آخری یادگار ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ یہ رندِ سرمست جب میکدۂ شعر میں قدم رکھتا ہے، تو جبہ ودستار کا احترام کس حد تک ملحوظ رکھتا ہے،

(۱) مصنف

اسم مبارک محمد بن ابی بکر ابراہیم ہے، کنیت ابوحامد یا ابوطالب، لقب فریدالدین تخلص عطار، عام زبانوں پر اسم مشہور فریدالدین عطار ہے،

ولادت مضافات نیشاپور میں ہوئی تھی، مزار بھی وہیں ہے، سنہ ولادت غالباً ۵۴۰ھ ہجری ہے، سالِ وفات میں بہت اختلافات ہیں، نفحات الانس کی روایت کے مطابق ۶۱۸ھ ہجری ہے، عمر کے بہت طویل ہونے پر سب تذکرہ متفق ہیں، سببِ وفات بھی سب کو مسلم ہے یعنی تاتاریوں کے ہاتھ سے جامِ شہادت نوش فرمایا،

ابتدا میں ایک بہت بڑے کارخانۂ ادویہ کے مالک تھے، ایک روز اپنے کاروبار میں مصروف تھے کہ ایک فقیر نے آکر صدا لگائی کہ خدا کے نام پر کچھ دلاؤ، یہ مخاطب ہوئے، اُس نے کئی بار صدا لگائی، یہ اس قدر منہمک تھے کہ جواب تک دینے کی فرصت نہ پائی، اُس نے کہا مشغولیت کا یہ حال ہے جان کیسے دوگے؟ انھوں نے جھنجھلا کر کہا، "جیسے تم دوگے" فقیر نے کہا "بھلا میری طرح کیا دوگے" یہ کہا اور سر کے نیچے کاسۂ گدائی رکھکر لیٹ گیا، زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہا، اور روح پرواز کرگئی! شیخ کے قلب پر اس واقعہ کا سخت اثر پڑا، کارخانہ کھڑے کھڑے لٹا دیا، اور خود اسی وقت سے درویشی اختیار کرلی[1]

پہلے شیخ رکن الدین اسکاف کی خدمت میں کئی سال بسر کئے، پھر سفر و زیارت بیت اللہ کو نکلے اور بہت سے مشایخ کی خدمت میں رہے، بالآخر شیخ مجد الدین بغدادیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آگے چل کر سلوک و عرفان کے وہ مراتب طے کئے کہ خود اپنے مرشد کے لئے باعث فخر ہوئے،

شہادت کا واقعہ تذکروں میں یوں درج ہے کہ تاتاریوں کے عین ہنگامہ میں ایک سپاہی نے شیخ کو اسیر کیا، اتنے میں ایک راہ گیر نے کہا کہ "اس پیر مرد کو قتل نہ کرو، دو ہزار اشرفیاں معاوضہ لیکر میرے حوالہ کردو" شیخ نے کہا "خبردار! اتنے پر مجھے فروخت نہ کرنا، میں

---

[1] نفحات الانس ص۴۱۹، دکلکتہ، و تذکرہ ہفت اقلیم امین رازی، وغیرہ،

اس سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہوں" آگے بڑھکر ایک اور شخص ملا اُس نے کہا کہ "اس پیرمرد کو مجھے دے ڈالو میں ایک گٹھا گھاس کا اس کے معاوضہ میں دیتا ہوں" شیخ نے کہا "ہاں دے ڈال کر میری قیمت اس سے بھی کم ہے" تاتاری سپاہی سمجھا کہ حضرت شیخ اس سے دل لگی کر رہے ہیں، غصہ میں آکر دہیں سر تن سے جدا کر دیا[1]

جلالت مرتبہ کے اندازہ کے لئے یہ حقیقت کافی سے زائد ہے کہ مولانائے روم مستند و مقتدا پر شیخ فریدالدینؒ کا نام بہ حیثیت اپنے مقتدا و پیشوا کے لیتے ہیں، اور ان کی عظمت کا بار بار اعتراف کرتے ہیں، ایک جگہ فرماتے ہیں :۔

گر عطار گشت مولنا ۔۔۔ شربت از دست شمس بود نوش

ایک اور موقع پر ۔۔

عطار روح بود و سنائی دو چشم او ۔۔۔ ما در پس سنائی و عطار آمدیم

ایک اور موقع پر اعترافِ کمال انتہائی عقیدت کے ساتھ ہے،

ہفت شہرِ عشق را عطار گشت ۔۔۔ ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

اسی تعظیم و احترام کے ساتھ مثنوی میں بھی جا بجا نام لیا ہے، اور ان کے اشعار کو اپنے کلام میں ضم کیا ہے،

ملا جامیؒ، مولانا رومیؒ کا یہ مقولہ بھی نقل کرتے ہیں کہ نورِ منصور نے ڈیڑھ سو برس کے بعد شیخ عطارؒ پر تجلی کی اور ان کا مربی رہا،

جامیؒ خود اپنی رائے کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں :۔

مدّ قاں قدر اسرار توحید و حقایقِ اذواق و مواجید کہ در مثنویات و غزلیاتِ وی اندراج

---

[1] تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی و مفتاح التواریخ وغیرہ،

بانند و درسخنان ہیچ یک از یں طائفہ ثابت نمی شود اجزاہ اللہ سبحانہ عن الطالبین المشتاقین

خیر الجزاء.[1]

تصانیف نظم و نثر بہت کثرت سے ہیں بعض روایات کے مطابق ان کی روایت سور قرآنی کے ہم عدد یعنی ۱۱۴ ہے۔ قاضی نوراللہ شوستری نے مجالس المومنین میں یہی روایت اختیار کی ہے، جیساکہ اشعار ذیل سے واضح ہوگا۔

ہماں خریطہ کش داروے فنا عطار
کہ نظم اوست شفا بخش عاشقانِ حزیں

مقابلِ عدد سورۂ کلام نوشت
سفینہائے عزیز و کتابہائے گزیں

اس روایت کی صحت کا علم تو عالم مطلق ہی کو ہے ازیادہ مشہور و معتبر کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) تذکرۃ الاولیا (نثر میں قدمائے صوفیہ کا مفصل تذکرہ) (۲) منطق الطیر (۳) مصیبت نامہ (۴) اسرار نامہ (۵) جیسر نامہ، (۶) الٰہی نامہ (۷) دیوان، (۸) پندنامہ (۹) وصیت نامہ (۱۰) خسرو وگل، (۱۱) شرح القلب

بعض ایسی کتابیں بھی شیخ کی جانب منسوب کردی گئی ہیں، جو قطعاً جعلی ہیں، مثلاً لسان الغیب، جس کا نسخہ برٹش میوزیم (لندن) میں موجود ہے، اور جس کے بہت سے اشعار ایک شیعہ مقدمہ نویس نے مقدمہ تذکرۃ الاولیا (مطبوعہ یورپ) میں حضرت شیخ کی شیعیت کے ثبوت میں پیش کئے ہیں، شیخ کی ذات گرامی اس سے کہیں ارفع ہے، کہ ان اتہامات کی تفصیلی تردید پر توجہ کیجائے۔

مزاج میں خاکساری و فروتنی جس درجہ کی تھی اس کا ثبوت تذکرۃ الاولیا کے دیباچہ کی

---

[1] نفحات صفحہ ۷۰

ایک ایک سطر میں ملتا ہے، اپنے تئیں سب سے زیادہ حقیر اور ناچیز سمجھتے تھے، اور غالباً یہ خاکساری ہی کی مقبولیت کا ثمرہ ہے کہ آج ان کا نام سرآمد عارفان و سرتاجِ عاشقاں کی حیثیت سے زندہ و روشن ہے،

(۲) تصنیف

تذکرۃ الاولیا کے بعد حضرت عطارؔ کی مقبول ترین تصنیف یہی منطق الطیر ہے، اس کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ مولانائے رومؔ کی مشہور و معروف مثنوی کا نقش اول یہی مثنوی ثابت ہوئی ہے، بعض تذکروں میں صراحت کے ساتھ یہ روایت درج ہے کہ شمس تبریز و صلاح الدین زرکوب کے انتقال کے بعد جب مولانا کے التفات خاص کے مورد حسام الدین چلپی ہوئے تو ایک بار انھوں نے مولانا سے عرض کیا کہ "غزلیات کا مجموعہ بہت ہو چکا اب کچھ توجہ مثنوی پر ہو، اور شیخ عطارؔ کی منطق الطیر کی طرز پر کوئی مسلسل نظم ارشاد فرمائی جائے" مولانا نے دستار سے ایک کاغذ نکال کر چلپی کو دیا جسمیں مثنوی کے تیرہ ابتدائی اشعار، ع بشنو از نے چون حکایت میکند، سے لیکر ع "در نیابد حال پختہ ہیچ خام" تک لکھے ہوئے تھے، اور ارشاد فرمایا کہ "قبل اس کے کہ یہ فرمائش تمھاری زبان سے ادا ہو اس کی تعمیل ہو گئی"

مثنوی و منطق الطیر کا وزن ایک ہے، موضوع ایک ہے، اور افسانوں سے اخلاق و تصوف کے درس حاصل کرنے کا اسلوب ایک ہے، مولانا نے عطارؔ کے حق تقدم کو مثنوی میں جابجا تسلیم کیا ہے، اور ان کے متعدد اشعار کو اپنے کلام میں ضم کر کے پیش کیا ہے،

مضامینِ کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ حمد و نعت و منقبت خلفائے اربعہ کے بعد اصل قصہ کا آغاز کیا ہے، اشخاصِ افسانہ بجائے انسانوں کے چند پرندے فرض کئے ہیں، ہدہد، طوطی، مرغ، فاختہ، قمری، بلبل، باز وغیرہ، ایک روز یہ سب پرندے یکجا ہوتے ہیں اور اپنا ایک

بادشاہ منتخب کرنا چاہتے ہیں، ہُدہُد سیمرغ کا نام پیش کرتا ہے، اس پر دوسرے پرندے معترض ہوتے ہیں، ہُدہُد ایک ایک کا اعتراض سنتا، اور الگ الگ سب کو جواب دیتا ہے، بالآخر اس پیامبر حق و عرفان (ہدہد) کی تفہیم و تبلیغ سے تمام طیور شاہ شاہان سیمرغ کے حلقۂ اطاعت و انقیاد میں آجاتے ہیں، سوالات وہی ہیں، جو عموماً ہر طالب و سالک کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، اور ان کے جوابات جادۂ سلوک و عرفان کے مختلف مقامات ہیں، لفظ "منطق الطیر" کا ماخذ کلام کی آیۂ کریمہ وورث سلیمان داؤد وقال یا ایھا الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شئ، (نمل، ع ۲) ہے، ہُدہُد چونکہ طیور سلیمانی میں بلحاظ فہم و دانش مرتبۂ بلند رکھتا تھا، شیخؒ نے طریقت کے حقائق و معارف اسی کی زبان سے ادا کرائے ہیں،

حمد بہت مفصل لکھی ہے، سب سے زیادہ زور بندہ کی بیچارگی، بے علمی، و درماندگی پر ہے ؎

عقل و جان و دین و دل در باختیم	تا کمال ذرۂ بشناختیم
لب بدوز از عرش و از کرسی مپرس	گرچہ یک ذرہ بھی پرسی مپرس
عقل تو چون در سر موئے بسوخت	ہر دو لب باید زپرسیدن بدوخت
کس ندانند کنہ یک ذرہ تمام	چند گویم کس نداند والسلام

اسمائے حکیم و لطیف کی تجلیات حیرت انگیز طریقوں سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں، عقل بشری حوادث فطرت کو دیکھکر دنگ رہجاتی ہے، انبیائے کرام تک کو عجیب و غریب حالات میں رکھا گیا ہے، ؎

سوی کنہ خویش کس را راہ نیست	ذرۂ از ذرۂ آگاہ نیست ،
درنگر اول کہ با آدم چہ رفت	عمرہا باد و دریں عالم چہ رفت
باز بنگر نوحؑ در غرقاب کار	تا چہ برد از کافراں سال ہزار

یعقوبؑ کی سرگردانی وگریہ وزاری، یوسفؑ کی غلامی واسیری، ایوبؑ کی ستم کشی وبرداشتِ مصائب، یہ چند نمونے ہیں، باقی تقریباً تمام انبیاءؑ کی زندگی طلسم سازِ فطرت کی انھیں کرشمہ نمائیوں کا ایک مسلسل مظہر ہے، اور تو اور حضرت سرورِ کائناتؐ تک کی حیاتِ طیبہ اسی قسم کے خوارقِ فطرت سے لبریز ہے ؎

عنکبوتے را بہ حکمت دام داد ؏ صدرِ عالم را درو آرام داد

معرفتِ باری کی صرف صورت یہ ہے کہ انسان اپنی خودی کو اس ہستی مطلق میں گم کردے، ؎

تو مباش اصلاً کمال این ست و بس — تو درو گم شو وصال این است و بس
تو درو گم شو حلولے آں بود ؏ ہرچہ آں نبود فضولے آں بود

اس تک پہونچنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ اپنی بے بسی وعجز کا اعتراف کیا جائے، بجائے خدا سے ڈرنے کے خود اپنے سے خوف کیا جائے، اور بارگاہِ ارحم الراحمین میں بصد تضرع والحاح مناجات کی جائے کہ وہ اپنے درد ومحبت کا ایک ذرہ ہی عنایت کردے، ؎

خلق ترسد از تو من ترسم ز خود — کز تو نیکی دیدہ ام وز خویش بد

. . . .

اے ز غفلت ناشدہ نومید کس — حلقۂ داغِ توام جاوید بس
ہر کرا خوش نیست دل بر دردِ تو — خوش مباد از آنکہ نبود مردِ تو
ذرۂ دردم دہ ای درمانِ من — زانکہ بے دردت بمیرد جانِ من
کفر کافر را ودیں دیندار را ؏ ذرۂ دردت دلِ عطار را

نعت گوئی حضرت عطارؒ کا خاص جوہر ہے، ملا جامیؒ کی طرح وہ بھی اس صنعتِ سخن کے

مارک ہیں، خلوص و نیاز کا رنگ ایک ایک لفظ سے جھلک رہا ہے، ذوق و شیفتگی ایک ایک مصرعہ سے ٹپک رہی ہے، ؎

خواجۂ دنیا و دیں گنجِ وفا — صدر و بدرِ ہر دو عالم مصطفےٰ

آفتابِ شرع و دریائے یقیں — نورِ عالم رحمۃ للعالمیں

خواجۂ کونین سلطانِ ہمہ — آفتابِ جان و ایمانِ ہمہ

پیشوائے ایں جہان و آں جہاں — مقتدائے آشکارا و نہاں

خواجۂ کز ہرچہ گویم بیش بود — وز ہمہ چیز از ہمہ در پیش بود

ہمچو شبنم آمد از بحرِ وجود — خلقِ عالم از طفیلش را وجود

آفرینش را جز او مقصود نیست — پاک دامن تر ازو موجود نیست

عقل را در خلوتِ او راہ نیست — علم نیز از دقتِ او آگاہ نیست

چوں پرِ سیمرغ ذاتش آشکار — موسیٰ از دہشت پرِ موسیچہ دار

رفت موسیٰؑ بر بساطِ آنجناب — خلعِ نعلین آمدش از حق خطاب

باز در معراج شمعِ ذوالجلال — می شنید آوازِ نعلینِ بلالؓ

موسیٰ عمراں چو آں دولت بدید — چاکر او را چنیں قدرت بدید

گفت یارب امتِ او کن مرا — در طفیلِ ہمتِ او کن مرا

یہ تمام توصیف صیغۂ غائب میں تھی، اب گویا حضوری نصیب ہوئی، اب جو معروضات براہِ راست بارگاہِ سرورِ عالم ﷺ میں پیش ہو رہے ہیں، ان کا بھی نمونہ ملاحظہ ہو؎

تا ابد شرعِ تو و احکام تست — ہمسرِ نامِ الٰہی نام تست

یا رسول اللہ بے در ماندہ ام — باد بر کف خاک بر سر ماندہ ام

بیکساں را کس توئی در ہر نفس — من ندارم در دو عالم جز تو کس

یک نظر سوے من غمخوارہ کن — چارۂ کار من بیچارہ کن

گرچہ ضایع کردہ ام عمر از گناہ — توبہ کردم عذر من از حق بخواہ

گر ز لاتا من بود ترسے مرا — ہست از لا تا الیٰ اور ستے مرا

اے شفاعت خواہ مشتے تیرہ روز — لطف کن شمع شفاعت بر فروز

دیدۂ جاں را لقاے تو بس است — ہر دو عالم را رضاے تو بس است

آگے چل کر خلفاے اربعہؓ کے مناقب بیان کئے ہیں بعض حلقوں میں عطارؒ کو شیعہ مشہور کرنے کی جو عجیب کوشش کی گئی ہے اور اس کے ثبوت میں جو لغو اشعار ان کی نسبت منسوب کئے گئے ہیں، ذرا اس کو پیش نظر رکھکر ذیل کی مدح چار یار سنئے! ابتدا از افضل البشر بعد از انبیاء سے ہوتی ہے۔ ؎

خواجۂ اول کہ اول یار اوست — ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اوست

صدر دیں صدیق اعظمؓ قطب حق — در ہمہ چیز از ہمہ بردہ سبق

ہرچہ حق از بارگاہ کبریا — ریخت در صدر شریف مصطفےٰ

آں ہمہ در سینۂ صدیق ریخت — لاجرم تا بود از تحقیق ریخت

فاروق اعظمؓ کی جلالت قدر کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے ؎

خواجۂ شرع آفتاب شرع دیں — ظل حق فاروق اعظمؓ شمع دیں

ختم کردہ عدل و انصافش بحق — تا فراست بردہ بر جنس سبق

آنکہ دارد بر صراط اول گذر — ہست او از قول پیغمبر عمرؓ

ذوالنورینؓ کی فضیلت مراتب پر روشنی ڈالنے کے لئے اشعار ذیل کافی ہیں ؎

خواجۂ سنت کہ نورِ مطلق است | بل خداوندِ دو نورِ برحق است
آنکہ غرقِ قدسِ فرقاں آمدست | صدرِ دیں عثمانؓ عفاں آمدست
رونقے کاں عرصۂ ثومین یافت | از دلِ پرنورِ ذوالنورین یافت
یوسفِ ثانی بہ قولِ مصطفٰےؐ | بحرِ تقویٰ وحیاکانِ وفا

اہل سنت کا عقیدۂ صحیح نامکمل رہجائیگا اگر حضرت شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ کی درگاہ پر بھی عقیدت کے پھول نہ چڑھائے گئے، ؎

خواجۂ حق پیشوائے راستیں | کوہِ حلم و بحرِ علم و قطبِ دیں
ساقیٔ کوثر امامِ رہنما ئے | ابن عم مصطفےٰؐ شیرِ خدائے
مرتضیٰ ومجتبےٰ زوجِ بتول | خواجۂ معصوم و دامادِ رسولؐ
مقتدائے دیں بہ استحقاقِ اوست | مفتیٔ مطلق علی الاطلاق اوست

اس کے بعد نہایت تفصیل کے ساتھ کئی اوراق اس موضوع کی نذر کئے ہیں کہ جو لوگ خلفائے ثلثہؓ سے تعصب رکھتے ہیں، وہ خود جناب امیرؓ کی تعظیم کے بالکل مخالف بلکہ دشمن ہیں، اور اس قول کی تائید میں آپ کی سیرتِ مبارک سے چند واقعات نقل کئے ہیں، (ص۳۲-۳۱)

ہدہد (پیمبرِ حق) جو تمام طیور کے جمع ہونے پر انھیں سلطان مطلق کے زیرِ انقیاد آنے کی دعوت دیتا ہے، اور مرتبۂ سلطانی کے لئے سیمرغ کا نام پیش کرتا ہے، وہ اس سیمرغ کے اوصاف بھی بیان کرتا ہے، ان اوصاف پر نظر کرنے سے سمجھ میں آسکے گا، کہ سیمرغ سے کس حقیقت عالیہ کا کنایہ ہے اور افسانہ کے پردہ میں کن معارف کی تعلیم ہورہی ہے ؎

نام او سیمرغ سلطانِ طیور | او بہ ما نزدیک و ما زو دور دور

صد ہزاراں پردہ دارد بیشتر ہم ز نور و ہم ز ظلمت میشتر

در دو عالم نیست کس را زہرۂ کو تواند باخت از وی بہرۂ

دایما او بادشاہِ مطلق است در کمالِ عزِ خود مستغرق است

نے بدو رہ نے شکیبائی ازوست صد ہزاراں خلق سودائی ازوست

ہیچ دانائے کمالِ او ندید ہیچ بینائے جمالِ او ندید

یعنی وہ سب کا بادشاہ ہم سے متصل ہے، اور ہم اس سے بیگانہ ہیں، کائنات میں کسی کی اتنی مجال نہیں کہ وہ اُس سے ہمسری کا دعویٰ کر سکے، وہ سب کا ازلی و ابدی بادشاہ مطلق ہر وقت اپنے شانِ کمال میں غرق ہے، اس غم میں ہزار ہا مخلوق پریشان ہے، کہ نہ اس تک پہونچنے کی راہ ملتی ہے، نہ تھک کر بیٹھا جاتا ہے، نہ کوئی عقل آج تک اس کے کمال کو پہونچ سکی ہے، نہ کوئی آنکھ اُس کے جمال سے مشرف ہو سکی،

باقی ساری کتاب اسی حقیقت الحقایق، اسی ذات علی الاطلاق، اسی ہستی ورا الورا کی توصیف، اس تک رسائی کی تدابیر اور منازلِ سفر کی تفصیل کی نذر ہے، چند مضامین و مطالب بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں، یہی انداز ساری کتاب کا ہے۔

راہِ طلب و سلوک میں سب سے بڑا راہزن نفس کا شوقِ جاہ و ترفع ہے، انسان اپنے اوپر سخت سے سخت تکالیف اٹھا لیتا ہے، بڑی بڑی ریاضتیں گوارا کرتا ہے، شدید سے شدید مجاہدات اختیار کرتا ہے، لیکن بکثرت مقصود یہ ہوتا ہے کہ خلق میں عابد و زاہد مشہور ہو، لوگ عزت و تکریم سے پیش آئیں اور دنیا اس کے تقدس کا چرچا کرے، حالانکہ اس راہ میں اس سے بڑھکر اور کوئی مانع ہو نہیں سکتا، شبلیؒ ایک مرتبہ اپنے مقام

سے غائب ہوگئے، لوگوں نے بڑی تلاش کی، بالآخر مخنثوں (ہیجڑوں) کے ایک گروہ کے درمیان چشم تر و خشک لب بیٹھے ہوئے ملے، ایک شخص نے حیرت سے سوال کیا، آپ نے جواب دیا کہ "جس طرح یہ گروہ نہ عورت ہے نہ مرد، اسی طرح میں راہ دین میں نہ مرد ہوں نہ عورت بداعمالیوں کی کثرت سے میری زندگی خود میرے لئے باعث شرم ہے" عارف کو اسی طرح اپنے تئیں ذلیل و خوار رکھنا چاہیے، ؎

ہمچو مرداں ذلِ خود کن اختیار — گردہ بر استادگان عزت نثار
گر تو پیش آئی ز موی در نظر — خویشتن را از سگے سازی بتر
مدح و ذمت گر تفاوت میکند — بت گرے باشد کہ او بت میکند
گر تو حق را بندۂ بتگر مباش — ور تو مردے ازدمی آزر مباش
نیست ممکن درمیانِ خاص و عام — از مقامِ بندگی برتر مقام
بندگی کن بیش ازیں دعوی مجوے — مردِ حق شو عزت از عزی مجوے
چوں ترا صد بت بود در زیرِ دلق — چوں نمائی خویش را صوفی بہ خلق
اے مخنث جامۂ مرداں مدار — خویشتن زیں بیش سرگرداں مدار[1]

ایک مرتبہ قاضی شہر کے پاس دو فریق اپنے مقدمہ کا تصفیہ کرانے کی غرض سے آئے اور دونوں لباس صوفیانہ پہنے ہوئے تھے، قاضی نے انھیں تنہائی میں لیجاکر بڑی غیرت دلائی کہ "جسم پر یہ لباس ترک و تسلیم، اور دل بدستور من و تو کے جھگڑوں میں مبتلا میں تو صفائی باطن کا دعویٰ نہیں رکھتا، محض فصل خصومات کرتا رہتا ہوں، مگر مجھے ایسی حالت میں اس جامۂ فقر سے شرم آتی ہے، اس میدان میں اگر جذبات خودی کو برقرار رکھنا اپنے

[1] صفحہ (۱۰۱)

دین و دنیا دونوں کو برباد کرنا ہے" ؎

در خصومت آمدند و در جفا	دو مرقع پوش در دار القضا
قاضی ایشاں را بہ کنج برد باز	گفت صوفی خوش نہ باشد جنگ باز
جامۂ تسلیم در بر کردہ اید	ایں خصومت از چہ در سر کردہ اید
گر شما ہستید اہلِ جنگ و کیں	ایں لباس از تن بنید ازید ہیں
در شما ایں جامہ را اہل آمدید	در خصومت از سرِ جہل آمدید
منکہ قاضی ام نہ مرد معنوی	زیں مرقع شرم می دارم قوی
مرد را در فرقِ مقنع داشتن	بہ بود زنیساں مرقع داشتن
گر بہ دعویٰ عزم ایں میداں کنی	سر دہی بر باد ترکِ جاں کنی [1]

شقاوتِ نفس کی کوئی حد نہیں، انسان کی نظر سے ہزار ہا درد انگیز و عبرت ناک واقعات گذرتے رہتے ہیں، پھر بھی اسے عبرت یا نصیحت نہیں حاصل ہوتی، ایک شخص نے ایک معمر گورکن سے سوال کیا کہ "تیری عمر قبروں کے کھودنے میں گذری، یہ بتا کہ کیا کیا عجیب چیزیں نظر آئیں، جواب ملا کہ سب سے عجیب شے یہ دیکھی کہ ستر سال گورکنی کرتے ہو گئے لیکن نفس سرکش ایک لمحہ کے لئے بھی مردہ نہ ہوا" ؎

یافت مردے گورکن عمرے دراز	سائلش گفتے کہ چیزے گو ی باز
تا چہ عمرے گور کندی در مغاک	چہ عجائب دیدہ در زیرِ خاک
گفت ایں دیدم عجائب حسب حال	کیں سگِ نفسم ہمیں ہفتاد سال
گور کندن دید و یک ساعت نمرد	یک زماں فرمان و یک طاعت نبرد

[1] صفحہ ۱۰۲ ، [2] صفحہ ۸۸

سب سے زیادہ زور ترکِ علایق دنیوی پر دیا ہے، حبِ دنیا حیاتِ ایمانی کے حق میں سمِ قاتل ہے سے

حبِ دنیا ذوقِ ایمانت ببرد — آرزوئیش پرتو جانت ببرد
چیست دنیا آشنائے حرص و آز — ماندہ از فرعون و از نمرود باز
کارِ دنیا چیست بیکاری ہمہ — چیست بیکاری گرفتاری ہمہ
ہست دنیا آتشِ افروختہ — ہر زماں خلقے دگر را سوختہ[1]

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر استراحت فرما رہے تھے، کہ سر کے نیچے ایک چھوٹی سی اینٹ کا تکیہ لگائے ہوئے تھے، آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں، کہ ابلیس قریب ہی کھڑا ہے، فرمایا "ملعون تیرا یہاں کیا کام"؟ اس نے جواب دیا کہ "یہ اینٹ جس کا آپ تکیہ لگائے ہوئے ہیں میری ملک ہے، ساری دنیا میری ہی ملک کا نام ہے" اور ظاہر ہے کہ یہ اینٹ بھی اسی سامانِ دنیوی کا ایک جزو ہے، آپ نے اس کو اپنے کام میں لاکر از خود مجھ سے توسل پیدا کیا ہے، "حضرت مسیحؑ نے یہ سنتے ہی اینٹ پھینک دی، اور دوبارہ بغرض استراحت لیٹ گئے، اس وقت ابلیس بولا کہ "اب بیشک آپ آرام سے سوئیے اب میرا یہاں ٹھہرنے کا کوئی کام نہیں رہا"[2]

کوئی صاحب ایک مرتبہ بعد نماز دعا میں مصروف تھے کہ "اے کارسازِ عالم میرے حال پر رحم کر" ایک دیوانے نے ان کی دعا کو سنکر کہا کہ تم اور رحمت طلب کرتے ہو؟ ذرا اپنی تمھاری کیفیت یہ ہے کہ ہمہ وقت اپنی خود پرستیوں میں مست رہتے ہو، مکان ہی تو عالیشان، اور در و دیوار ہیں تو زرنگار، کام کاج کے لئے غلاموں کی تعداد کثیر کے محتاج

---

[1] صفحہ ۱۰۰، [2] صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹

کینزوں کی صرف ورت مستزاد خود پرستی میں یہ انہماک واہتمام، اور اس پر زول رحمت کی توقع وطلب! اگر واقعی رحمت باری کی تمنا ہے تو پہلے اپنے کو اس کے غیر سے مستغنی وفارغ البال تو کرو، وتبتل الیہ تبتیلا ؎

تو زناز خود نہ گنجی در جہاں	می خرامی از تکبر ہر زماں
منظرے سر بر فلک افراشتہ	چار دیوارش بزر بنگاشتہ
دہ غلام و دہ کنیزک کردہ راست	رحمت آنجا کے بود برگو ی راست
نیک بنگر تا تو بااین جملہ کار	جائے رحمت داری آخر شرم دار
تا نہ گردانی ز ملک ومال روے	مکنش نہ نماید ت آں عال روے
روے اکنوں می بہ گرداں از ہمہ	تا شوی فارغ چوں مرداں از ہمہ[1]

مومن کو مایوس کبھی نہ ہونا چاہئے، خواہ معاصی و ذنوب فوق الحد ہی ہوں، یاس صرف کافروں کا حصہ ہے، فسق و معصیت کی خواہ کتنی ہی کثرت ہو، پھر بھی ارحم الراحمین کی رحمت اس سے وسیع تر ہے، مومن کو چاہئے کہ ہر حال میں اس کی رحمت پر بھروسہ رکھے، اور اپنی طرف سے توبہ میں مشغول رہے، اس مفہوم کو مختلف مقامات پر ادا کیا ہے، ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

تو یقیں می داں کہ صد عالم گناہ	از تف یک توبہ برخیزد زراہ
بحر احساں چوں درآید موج زن	محو گرداند گناہ مرد وزن[2]

ایک اور موقع پر ؎

گر نہ بودے مرد را توبہ قبول	کے بدے ہرگز رہائے او ز ذل

[1] صفحہ ۱۰۱، [2] صفحہ ۸۰،

گر گنہ کردے وز توبہ ست باز　　تو بہ نشکن کیں در نہ خواہد شد فراز

گر بہ صدق آئی دریں رہ یکدمے　　صد فتوحت پیش آید ہر دمے

اصل شے خلوص و صدق نیت ہی، "قال" جو کچھ ہو "حال" درست رہنا چاہئے یہاں تک کہ اگر بت پرستی میں بھی صفائے نیت ہے تو عالم الغیب والشہادہ کی بارگاہ میں اس کی بھی قدر ہوگی، اور بالآخر بت پرست کو راہ ہدایت نصیب ہو کر رہیگی شیخ فرماتے ہیں کہ ایک شب کو جبرئیل اپنے مقام سدرۃ المنتہی میں تھے کہ حضرت قدس سے لبیک کی آواز سنائی دی سمجھے کہ کوئی خاص مقبول بندہ اس وقت مصروف ذکر و عبادت ہے، اور اس کی پذیرائی ہو رہی ہے، دل میں شوق پیدا ہوا اس مقبول بارگاہ سے واقفیت پیدا کرنا چاہیے چشم زدن میں ہفت افلاک کا گشت لگا ڈالا اس کا پتہ نہ چلا کرۂ ارض کی جانب رخ کیا اور صحرا و کوہستان کا چپہ چپہ چھان ڈالا، پھر بھی پتہ نہ چلا اپنے مقام پر واپس آئے دیکھا کہ حضرت قدس سے صدائے لبیک برابر چلی آرہی ہے تلاش از سر نو جاری کی، اور ساری کائنات کا ایک بار پھر جائزہ لیا اب کی بار پھر ناکام رہے، اس وقت عاجز آکر بارگاہِ اعلیٰ میں التماس کی حکم ہوا کہ دیار روم میں جا کر تلاش کرو، یہاں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ایک بت کے سامنے اس کی عبادت کر رہا ہے، جبرئیل یہ ماجرا دیکھکر حیران رہ گئے، اور عرض کی کہ "پروردگار عالم! یہ کیا راز ہے کہ ایک شخص صریحاً بت پرستی کر رہا ہے، اور اس پر یہ رحمت ہو رہی ہے،" جواب سنئے،

حق تعالیٰ گفت ہست او دل سیاہ　　زاں نمی داند غلط کردست راہ

سلہ ص ۱۲۷

از نیازش خوش ہمی آید مرا — زیں نشاں دادن ہمی باید مرا

گر ز عجلت رہ غلط کرد آں سقط — منکری دانم نہ کردم رہ غلط

ہم کنوں راہش وہم تابش گاہ — لطف او خواہد شد او راعذر خواہ

یعنی ہم تو اس کے خلوصِ قلب کو دیکھ رہے ہیں، وہ اس وقت گمراہ ہے تو کیا ہوا نیت تو اس کی خالص ہے، اور اس کا انعام ہم ابھی یہ دیتے ہیں کہ وہ راہِ ہدایت پہ آیا جاتا ہے، چنانچہ ؎

ایں بگفت و راہِ جانش بر گشاد — در خدا گفتن زبانش بر گشاد

سنا اس کا قلب روشن ہوگیا، چشم زدن میں مراتب سلوک کا رطے ہوگئے، وہ منکر و بت پرست بات کہتے محدث و خدا پرست ہوگیا،

شیخؒ کے نظامِ عمل میں سب سے بلند و مقدم مرتبہ اتباعِ احکامِ الٰہی کا ہے ایک مرغ (روح) کی زبان سے سوال ہوتا ہے، کہ امتثال امر و فرمان برمی کی بابت کیا ارشاد ہے؟ مجھے اختیار و انکار سے سروکار نہیں، میں محض اتباعِ امر کرنا چاہتا ہوں، ؎

دیگرے پرسید از وکہ رہنمائے — چوں بود گر امر می آرم بجائے

من نہ دارم با قبول و رد کار — می کشم فرمانِ او در انتظار

ہدہد پیغمبرِ حق کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ اس سے بلند تر کوئی بھی مرتبہ نہیں یہ مرتبہ تمام مراتب سے اعلیٰ و افضل ہے، ایک ساعت کی طاعت جو بہ امتثالِ امر ہو ساری عمر کی طاعت گذاریوں اور مجاہدوں سے بہتر ہے، جو اپنی مرضی و ارادے سے

سلہ ص ۱۰۰

کے مطابق ہوں سے

گفت ہیکو کردی اے مرغ سگال | مرد را زیں بیشتر نبود کمال
کے بری جاں گر تو آنجا جاں بری | جاں بری تو گر بہ جاں فرماں بری
ہر کہ فرماں بردا زعدلاں برست | از ہمہ دشوار ہا آساں برست
طاعتے با مرگ یک ساعت است | بہتر از بے امر عمر طاعت شصت

انسان بندہ ہے، اس کا کمال یہ ہے کہ بندگی میں کمال پیدا کر دکھائے، سے

بندگی ایں باشد و دیگر ہوس | بندگی افگندگی اے ہیچ کس
تو خدائی می کنی نے بندگی، | کے شود ممکن ترا افگندگی

مقبولیت و برگزیدگی کا ادعا آسان ہے لیکن اس کا معیار یہی کمالِ عبودیت وافگندگی ہے، سے

بندہ آں نبود کہ از دے گزاف | میزند در بندگی پیوستہ لاف
بندہ وقت امتحاں آید پدید | امتحان حق تا نشان آید پدید

ا۔ ص ۱۴۹

باب (۸)

لوائح

(ملا نور الدین عبد الرحمٰن جامیؒ)

ملا جامی کا زمانہ وفات نویں صدی ہجری کے اختتام کا ہے، اس لئے انھیں دور متوسلین کی آخری یادگار کہہ سکتے ہیں، یہ وہ زمانہ ہے، کہ تصوف ایک مستقل نظام کی حیثیت اختیار کر چکا تھا، اور اسلام کی سادی تعلیم میں فلسفہ و مذاہب غیر کی آمیزش اچھی طرح ہو چکی تھی، لوائح ان کی نہایت مشہور، مقبول و مستند تصنیف ہے، یہ مثل قدما کی تصانیف کے فن سلوک کے علم و عمل پر کوئی جامع و مبسوط رسالہ نہیں بلکہ فلسفۂ تصوف سے متعلق چند نکات و اشارات کا مجموعہ ہے، تاہم اس فلسفیانہ رسالہ پر بھی نظر کرنے سے معلوم ہوگا، کہ مسلک توحید کی اہمیت ملا جامی کی نگاہ میں تمام فرعی مسائل سے کس قدر بڑھی ہوئی تھی، وحدت وجود وغیرہ کے مباحث اگرچہ پوری قوت کے ساتھ پھیل چکے تھے، تاہم یہ مسائل شریعت اسلام کے محکوم تھے، حاکم نہ تھے، اور آج کل کے رسوم کا تو ان کے ہاں بھی پتہ نہیں،

---

(۱) مصنف

اسم گرامی، عام تذکروں کی روایت کے مطابق، نور الدین عبد الرحمٰن ہے، صاحب سفینۃ الاولیاء کا بیان ہے، کہ اصل نام عماد الدین تھا، اسم مشہور نور الدین ہوگیا، والد کا نام ایک روایت کے بموجب احمد بن محمد دشتی[۱] اور دوسری کے مطابق نظام الدین احمد دشتی تھا[۲]، دشت اصفہان کے ایک محلہ کا نام ہے،

مولد قصبہ جام ہے، کچھ اس مناسبت سے اور کچھ اس لحاظ سے کہ شیخ الاسلام احمد جامؒ کی عقیدت کا جام نوش فرمایا، اپنا تخلص جامی قرار دیا، چنانچہ خود فرماتے ہیں:۔

مولدم جام و رشحۂ قلمم	جرعۂ جام شیخ اسلامی است
لاجرم در جریدۂ اشعار	بدو معنی تخلصم جامی است

تخلص اس قدر مقبول ہوا کہ لوگ اصل نام کو بھول گئے، عام زبانوں پر صرف جامیؒ یا ملا جامیؒ رہ گیا،

تاریخ ولادت بالاتفاق ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ (مطابق ۷ نومبر ۱۴۱۴ء) ہے اور تاریخ وفات بروایت قوی ۱۸ محرم ۸۹۸ھ (۹ نومبر ۱۴۹۲ء) ہے[۳]، ایک ضعیف روایت ۸۹۲ھ کے متعلق بھی ہے[۴]، وفات شہر ہرات میں ہوئی،

بیعت سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا سعد الدین کاشغری سے تھی، زمانۂ طفولیت میں جب پورے پانچ کا بھی سن نہ تھا، خواجہ محمد پارسا کی زیارت سے مشرف ہوئے،

---

۱ سفینۃ الاولیاء ص۱۰۲، ۲ مفتاح التواریخ، مرتبہ مسٹر بیل، ص۱۳۶ (نولکشور لکھنؤ)

۳ سفینۃ الاولیاء وغیرہ، ۴ مفتاح التواریخ،

طریقِ روحانیت کی تخم ریزی اسی وقت سے قلب میں ہوگئی، بیاسٹھ سال کی عمر میں جب نفحات الانس کی تالیف میں مشغول ہوئے ہیں اس واقعہ کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں کہ قلم سے بجائے سیاہی کے عقیدت کے قطرات ٹپکتے ہیں، جمادی الآخر ۸۲۲ھ کے آغاز یا جمادی الاول کے آخر میں خواجہ موصوف جام سے گذر رہے تھے خلقت انبوہ در انبوہ نذرِ اخلاص وعقیدت پیش کرنے حاضرِ خدمت ہو رہی تھی، مولانا جامیؒ کے والد نے اس خرد سال بچہ کو خواجہ کی پالکی میں لاکر بٹھا دیا خواجہ نے التفاتِ خاص فرمایا، اور ایک سیر مصری عنایت کی، اس واقعہ کو قلمبند کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

"امروز آں شصت سال است کہ ہنوز صفائی طلعت منور ایشاں در دلِ من دہانا کہ رابطۂ اخلاص و اعتقاد و ارادت و محبت کہ ایں فقیر را نسبت بہ خاندانِ خواجگان قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم واقع است ببرکتِ نظر ایشاں بودہ باشد، و امید میدارم کہ بہمیں رابطہ در زمرۂ محباں و مخلصانِ ایشاں محشور گردم[۱]"

مگر سب سے زیادہ اختصاص و ارتباط شاید خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے ساتھ تھا جن کا تذکرہ نفحات اور اپنی دوسری تصانیف میں کمالِ عقیدت و تفصیل کے ساتھ کیا ہے؛

علوم ظاہری کی تعلیم ہرات میں پائی، اساتذہ میں ملا جنید، خواجہ علی سمرقندی و قاضی روم سمرقندی کے اسمار قابلِ ذکر ہیں، طالب علمی کے زمانہ میں جس غیر معمولی ذکاوت، قوتِ حافظہ، وجودتِ ذہن کا اظہار ہوتا تھا، اس کے حیرت انگیز واقعات سے تذکرہ لبریز ہیں، مزاج میں ظرافت و شوخی بھی بہت تھی، جس کا ثبوت بہارستان کے سدا بہار صفحات میں ملتا ہے، بہ قول صاحب سفینۃ الاولیار،

---

[۱] نفحات الانس، ص۱۴۲، ص۴۱۸ (مطبوعہ کلکتہ)

"حضرت مولانا را فہم وطبیعے کہ بود، بالاتر ازاں نباشد، وبسیار خوش خلق وخوش تکلم وشگفتہ بودند، ومطایبہائے لطیف میفرمودند"

تصانیف کی تعداد ۴۴ ہے جو لفظ جام کے ہمعدد ہے، زیادہ مشہور تصانیف یوسف وزلیخا، تحفۃ الاحرار، سبحۃ الابرار، نفحات الانس، شواہد النبوۃ، لوائح، بہارستان وکلیات ہیں،

مرید سلسلہ نقشبندیہ میں تھے تاہم طبیعت پر ذوق ووجد غالب تھا،

"ہمیشہ در ذوق ووجدی بودہ اند" (سفینۃ الاولیار)

غالباً اسی لئے سماع سے بھی محترز نہ تھے، نظم کی ہر صنف پر یکساں قادر تھے مثنوی غزل، قصیدہ، مدح، تشبیب، معرفت، توحید، ہر صنف اور ہر مضمون کے مالک تھے، سب بڑھا چڑھا رنگ نعت کا تھا، فارسی نعت گوئی میں آج تک ان کا جواب نہ پیدا ہو سکا،

مرتبۂ کمال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ خود ان کے مرشد فرمایا کرتے تھے کہ شہباز ہمارے جنگل میں آکر پھنسا ہے، خواجہ عبید اللہ احرار از راہ تعظیم اپنے خطوط کو لفظ "عرض داشت" سے تعبیر کرتے تھے، اور اکثر فرماتے تھے، کہ خراساں میں آفتاب موجود ہے، لوگ اسے چھوڑ کر ماوراء النہر کے چراغ (یعنی بخود خواجہ موصوفؒ) کے پاس کیوں آتے ہیں، گویا ملاجامیؒ اور اپنے درمیان آفتاب، وچراغ کی نسبت قرار دیتے تھے،

اخفائے احوال وکرامات میں خاص اہتمام تھا، جہاں تک بس چلتا کسی پر اپنے مرتبۂ کمال کو نہ ظاہر ہونے دیتے تھے، باایں ہمہ مرجع خلایق تھے،

لہ سفینۃ الاولیار، سلہ ایضاً،

"مقبول عالم و مقتدائے ماوراء النہر و خراسان و پیشوائی زمان بودہ اند و سلطان حسن بایقرا را کمال عقیدت و نیاز مندی بخدمت ایشاں بود" (سفینہ)

سلطان و امراء کی عقیدت مندیوں کے مرکز تھے،

"در عہد سلطان ابوسعید بہ خدا شناسی و خدا پرستی شہرت یافتہ مقبول خاص و عام گشت، و در عہد سلطان حسین بایقرا بیشتر از بیشتر قبول یافت، و امیر علی شیر غاشیۂ انقیاد او بر دوش جان می داشت"[1]

خانہ کعبہ کی زیارت کو گئے، تو آمد و رفت کے دونوں مواقع پر قبول عام نے قدم قدم پر استقبال کیا، ایک مرتبہ دمشق میں مقیم تھے، کہ سلطان روم کا قاصد پانچ ہزار اشرفیوں کی نذر کے ساتھ یہ درخواست لیکر پہونچا کہ قسطنطنیہ بھی شرف قدوم سے مشرف ہو جائے، مولانا یہ خبر قاصد کے ورود سے پیشتر پاکر تبریز چل کھڑے ہوئے تھے، وہاں حسن بیگ، حاکم کردستان کی نیاز مندیاں زنجیر پا ہونے لگیں، بہ دشواری تمام اجازت لیکر خراسان پہونچے، یہاں پہونچے تو یہاں بھی نذرانوں کے انبار نے خیر مقدم کیا،

(۴)

تصنیف

لائحہ کے لفظی معنی "شعاع درخشاں" کے ہیں، (مجازاً نسخۂ عمل یا روزنامچہ) لوائح اس کی جمع ہے، لوائح جامی چند لائحوں کا مجموعہ ہے، جن کی کل تعداد

---

[1] مفتاح التواریخ،

۸۴۳ھ[1] ہے، زمانۂ تالیف وہ ہے جب یونانی فلسفہ کو مسلمانوں میں رائج ہوئے کئی سو سال ہو چکے ہیں، اشراقیت، مشائیت، وحدت وجود، تناسخ ارواح، عقل اول، ہیولیٰ وغیرہ کے عقائد و مسائل علماء یونان، مصر، ہندوستان و ایران کے اثر سے ممالک اسلامیہ میں گھر گھر پھیل چکے ہیں، خود مسلمانوں میں فارابی، ابن سینا، ابن رشد جیسے بیسیوں علماء و فلاسفہ پیدا ہو چکے ہیں، اور ان کی تعلیمات سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہو چکا ہے،

اسلامی تصوف بھی اب خالص اسلامی تصوف نہیں رہا ہے، ذوالنون مصریؒ و جنیدؒ بغدادی کا تصوف صحابۂ کرامؓ کی تقلید تھی، ان کے عقائد و اعمال، ابوبکرؓ و علیؓ کے عقائد و اعمال تھے، اب شیخ محی الدین بن عربیؒ اور ان کے تلامذہ کے اثر سے تصوف بھی ایک فلسفہ بن چکا ہے، اور اکابرِ طریقت کی خانقاہیں، ایسے عقائد و اعمال کی مسکن بن چکی ہیں، جن سے صحابۂ کرام کی مقدس زندگیاں یکسر ناآشنا تھیں،

ملا جامیؒ اسی فضا میں آنکھیں کھولتے ہیں، اسی ہوا میں سانس لیتے ہیں، اور اسی غذا سے نشو و نما حاصل کرتے ہیں، اس کے بعد اپنے قلم کو گردش دیتے ہیں، وحدت الوجود کے فلسفہ میں ڈوبے ہوئے ہیں، شیخ ابن عربی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں یا انہیں

[1] یہ تعداد نسخہ مطبوعہ نولکشور پریس کے مطابق درج کی گئی ہے، لندن میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے زیرِ اہتمام جو نسخہ (ایک قدیم قلمی نسخہ کی مطابقت میں) شایع ہوا ہے، اس میں کل تعداد ۲۰۴ ہے، راقم سطور کے نزدیک لندنی نسخہ میں لائحوں پر نمبر لگانے اور ان کے شمار کرنے میں انگریزی مرتب و مترجم سے سہو ہوا ہے، اصل تعداد لائحوں کی اس نسخہ میں ۳۳ ہوتی ہے، دو کا فرق بھی رہجاتا ہے، بعض اور اختلافات بھی لکھنوی اور لندنی نسخوں کے درمیان ہیں، ہم نے عموماً اول الذکر کا تتبع کیا ہے،

جادۂ شریعت سے ایک انچ قدم باہر نہیں رکھتے، اور مسلک توحید پر اس شدومد سے قائم ہیں کہ اثنائے سفر میں اس سے ایک ذرہ نہیں ہٹتے، توحید باری اور اس کے مسائل متعلقہ کو مختلف پیرایوں میں اور مختلف تفصیلات کے ذریعہ سے ادا کرتے ہیں۔ اندازِ بیان، موضوع کے انتہا سے زائد دقیق ونازک ہونے کے باوجود اس درجہ مؤثر ہے کہ پڑھنے والے پر پڑھتے پڑھتے ایک ہنگامی کیفیت تو فناریت کی طاری ہی ہو جاتی ہے۔

آغازِ کلام میں زبانِ قلم یوں زمزمہ سنج حمد ہوتی ہے :۔

"خداوندا سپاسِ تو بزبان نمی آریم، و ستایشِ تو بر تو نمی شماریم، ہر چہ از صحائفِ کائنات از جنسِ اثنیہ و محامد است ہمہ بہ جنابِ عظمت و کبریائی تو عاید است، از دست و زبانِ ما چہ آید کہ سپاس و ستایشِ ترا شاید، تو چنانی کہ خود گفتۂ و گوہر ثنائے تو آن ست کہ خود سفتۂ ؎

آنجا کہ کمالِ کبریائی تو بود — عالم سنے از بحرِ عطائے تو بود
مارا چہ حد حمد و ثنائے تو بود — خود حمد و ثنائے تو سزائے تو بود

مناجات و طلبِ توفیق میں متعدد رباعیاں کہی ہیں :۔

(۱) یارب دلِ پاک و جانِ آگاہم دہ — آہِ شب و گریۂ سحر گاہم دہ
در راہِ خود اول ز خودم بیخود کن — آنگہ بیخود ز خود بخود راہم دہ

(۲) یارب ہمہ خلق را بہ من بدخو کن — وز جملہ جہانیاں مرا یکسو کن
روئے دلِ من صرف کن از ہر جہتے — وز عشقِ خودم یکجہت و یکرو کن

تمہید و مطالب و اغراضِ تالیف کے ذیل میں فرماتے ہیں :۔

ایں رسالہ ایست مسمّٰی بہ لوائح در — یہ رسالہ مسمّٰی بہ لوائح ہے، اس میں ان معانی

بیانِ معارف و معانی کہ بر الواحِ اسرار و ارواح اربابِ عرفان و اصحابِ ذوق و وجدان لائحہ گشتہ بہ عبارات لائقہ و اشارات رائقہ، متوقع کہ وجود مقصدے ایں بیان را در میان نہ بینند، و بر بساطِ اعراض و سماطِ اعتراض نہ نشینند چہ اورا دریں گفتگو نصیبے جز منصب ترجمانی نے، و بہرۂ غیر از شیوۂ سخن رانی نے ؎

ومعارف کا بیان ہے جو اربابِ عرفان اور اصحابِ ذوق و وجدان کے قلوب و ارواح پر روشن ہوئے اور جنھیں بیان الفاظ مناسب و اشاراتِ دلکش کے ساتھ قلمبند کیا گیا، امید ہے کہ پڑھنے والے ان بیانات کے شارح (یعنی خود حضرت جامیؒ) کی شخصیت کا خیال درمیان میں نہ لائیں گے، اور اعتراض و نکتہ چینی سے محترز رہیں گے، اس لئے کہ مصنف کا منصب اس کے سوا کچھ نہیں کہ محض ترجمانی کا ہے، اسکی حیثیت ایک لہجے زائد مطلق نہیں

من ہیچم و کم ز ہیچ ہم بسیارے — میں ہیچ بلکہ ہیچ سے بھی کمتر ہوں؛

از ہیچ و کم از ہیچ نیاید کارے — ایسے ہیچ و کمتر از ہیچ سے ہو ہی کیا سکتا ہے؛

ہر سر کہ ز اسرار حقیقت گویم، — یہ جو اسرارِ حقیقت میں بیان کر رہا ہوں

زانم نہ بود بہرہ بجز گفتارے — ان کا صرف ناقل و ترجمان ہی ہوں اس سے زائد کچھ نہیں

(۱) لائحۂ اول اس بیان میں ہے کہ عالم و ما فی العالم سے قطع نظر کرکے بہ کمال یکسوئی خدا ہی کی جانب متوجہ رہنا چاہیے،

ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ، حضرت بیچون کہ ترا نعمت ہستی دادہ است در درون تو جز یک دل نہادہ است تا در محبت او یک رو باشی و یک دل واز غیر او معرض و برو مقبل، نہ آنکہ یک دل را بصد پارہ کنی و ہر پارہ در پے مقصدے آوارہ ؎

اے آنکہ بہ قبلۂ بتاں روست ترا : بر مغز چرا حجاب شد پوست ترا

دل درپئے این وآں نہ نکوست ترا | یک دل داری بس است یک دوست ترا

(۲) لائحہ دوم میں اس حقیقت کا بیان ہے، کہ مخلوقات سے دل لگانا ہی طبیعت میں پراگندگی و انتشار کا باعث ہوتا ہے، اگر صرف خالق واحد و یکتا سے لگی رہے، تو جمعیت و یکسوئی خاطر تا متر میسر رہے،

"تفرقہ عبارت از آں است کہ دل را بواسطہ تعلق بامور متعددہ پراگندہ سازی وجمعیت آنکہ از ہمہ بہ مشاہدۂ واحد پردازی جمعے گمان بردند کہ جمعیت در جمع اسباب است ودر تفرقہ ابد ماندند، وفرقۂ بہ یقین دانستند کہ جمع اسباب از اسباب تفرقہ است از ہمہ افشاندند دست

اے سالک رہ سخن زہر باب مگوے | جز راہ اصول رب ارباب مجوے
چوں علت تفرقہ است اسباب جہاں | جمعیت دل ز جمع اسباب مجوے

(۳) لائحہ سوم کی تعلیم یہ ہے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے، اور ظاہر و باطن ہر حال میں نگراں،

حضرت حق سبحانہ تعالیٰ ہمہ جا حاضر است ودر ہمہ حال بظاہر و باطن وناظر ہے خسارت کہ تو دیدہ از لقائے او بر داشتہ سوئے دیگری نگری وطریق رضائے او بگذاشتہ راہ دیگری سپری، ے

بس کیسے افسوس کی بات ہو تو اس کے دیدار کو چھوڑ کر دوسروں کی جانب نظر رکھتا ہے، اور اس کی خوشنودی کے رستے کو چھوڑ کر دوسرے کی راہ قطع کر رہا ہے،

با یار بہ گلزار شدم رہگذری | بر گل نظرے فگندم از بیخبری

میں (عاشق) ایکدن اپنے معشوق کے ساتھ سیر گلشن کو گیا اور وہاں بے سمجھ کر اپنی حماقت سے پھولوں کو دیکھنے لگا

دلدار بہ طعنہ گفت شرمت بادا
رخسار من اینجاست تو در گل نگری

اس نے چڑھ کر مجھ سے کہا کہ "تجھے شرم نہیں آتی کہ یہاں بیٹھا ہوا
یہاں اور میرے رخساروں کو چھوڑ کر تو پھول پر نگاہ ڈال رہا ہے"

(۴) لائحہ چہارم کا خلاصہ یہ ہے، کہ ماسوائے حق، جو کچھ ہے زوال پذیر و فانی ہے، باقی صرف ذات حق ہے، اس کے سوا ساری امیدیں اور آرزوئیں لغو و موہوم ہیں،

(۵) لائحہ پنجم، کائنات کی ساری جلوہ آرائیاں اسی جمیل علی الاطلاق کا پرتو ہیں، دنیا میں اگر کوئی دانا ہے، تو اس پر اسی کی دانائی کا پرتو ہے، اگر کوئی بینا ہے، تو اسی کے عکس سے، یہ سارے شئون و مظاہر اسی کے ہیں، جس نے اوجِ کلیت و اطلاق سے تنزل کر کے اپنی تجلیات کو جزئیت و تقید میں رونما کیا ہے،

(۶) لائحہ ششم میں انسان کی حقیقت بیان کی ہے، کہ اگرچہ

آدمی اگرچہ بہ سبب جسمانیت در غایت کثافت است اما بہ حسب روحانیت در نہایت لطافت بہرچہ روے آرد حکم آں گیرد و بہرچہ توجہ کند رنگ آں پزیرد، پس می باید کہ بہ کوشی و خود را از نظرِ خود بپوشی و بر ذاتی اقبال کنی بہ حقیقی اشتغال نمائی، کہ درجات موجودات ہمہ مجالی جمال اویند و مراتبِ کائنات مرائی کمال او و بریں نسبت چنداں مداومت نمائی کہ با جان تو در آمیزد و ہستی تو از نظرِ تو برخیزد، اگر بہ خود

وہ بہ لحاظ جسمانیت نہایت کثافت میں ہے لیکن بہ اعتبار روحانیت انتہائے لطافت میں بھی ہے، اب وہ جس طرف توجہ اختیار کرے، وہی رنگ اس پر چھا جائیگا، .... پس اے طالب، تجھے لازم ہے، کہ اپنے تئیں خود اپنے سے مخفی کر، اور جو ہستی ذاتی و حقیقی ہے، اسی کی جانب متوجہ و مشغول ہو جا، اس لئے کہ موجودات کے جس قدر بھی اقسام ہیں وہ سب اسی کے جمال کی تجلیات ہیں، اور کائنات کے جس قدر بھی اجزاء ہیں سب اسی کے کمال کا آئینہ، اور پھر اس نسبت کو مشق و ریاضت سے

بر او آوردہ باشی، وچوں از خود تعبیر کنی تعبیر از وے کردہ باشی، مقید مطلق شود و انا الحق ہو الحق،

اس درجہ تک پہونچادے، کہ وہ ہستی حقیقی تجھ میں مدغم ہو جائے، اور خود تیری ہستی تیری نظروں سے غائب ہو جائے، یہاں تک کہ اگر تو اپنا خیال کرے تو عین اسی کا خیال کرے، اگر تو اپنا ذکر کرے تو عین اسی کا ذکر کرے، اور اسی طرح مقید مطلق ہو جائے، اور انا الحق ہو الحق کے حکم میں داخل ہو جائے

(۷) لائحۂ ہفتم، یہاں سے عملی طریقوں کی تعلیم شروع ہوتی ہے، اس لائحہ میں یہ تعلیم ہے کہ ذکرِ الٰہی و نسبتِ حق سے کوئی حالت اور وقت کا کوئی لحہ خالی نہ گذرنا چاہئے

"در ورزش ایں نسبت شریفہ می باید کرد، بر وجہے کہ ہیچ وقتے از اوقات و ہیچ حالتے از حالات از آں نسبت خالی نہ باشی، چہ در آمدن، وچہ در خوردن و خفتن، و چہ در شنیدن و گفتن، و بالجملہ در جمیعِ حرکات و سکنات حاضر وقت می باید بود تا بہ بطالت نہ گزرد"

(۸) لائحۂ ہشتم، جس طرح اوقات کو تمامتر ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھنا چاہئے، اسی طرح کوشش بلیغ کرکے قلب کو بھی تعلقات دنیوی سے منقطع کرتے رہنا چاہئے،

(۹) لائحۂ نہم، فنا اور فنائے فنا کی تعریف بیان کرتے ہیں،

"فنا عبارت از آں است کہ بہ واسطۂ استیلائے ظہور ہستی حق بر باطن بما سوائے او شعور نماند، و فنائے فنا آں کہ بہ آں بے شعوری ہم شعور نماند و پوشیدہ نباشد کہ فنائے فنا در فنا مندرج است زیرا کہ صاحبِ فنا را اگر بہ فنائے خود شعور باشد، صاحبِ فنا نباشد، بہ جہت آنکہ صفت و موصوف آں از قبیل ما سوائے حق اند سبحانہ و تعالیٰ پس شعور بآں منافی فنا باشد"

(۱۰) لائحۂ دہم، توحید کی تعریف بیان کی ہے، کہ وہ ماسوائے حق سے دل کے ہر قسم اور ہر نوعیت کے،

توحید یگانہ گردانیدن دل ست یعنی تخلیص   ترک تعلق و قطع وابستگی کا نام ہے جو طلب و ارادہ
و تجرید از تعلق با سوائے حق ہم از در سے   علم و معرفت سب پر شامل ہے،
طلب و ارادت و ہم از جہت علم و معرفت

(۱۱) لائحۂ یازدہم، جس وقت تک انسان پر خواہشات نفس غالب ہیں، اس نسبت کو ہر وقت ملحوظ رکھنا محال ہے، جوں جوں علایق کی بیڑیاں اس کے پیر سے کٹتی جائینگی مجاہدات و ریاضات میں لطف آنے لگے گا،

(۱۲) لائحۂ دوازدہم، جوں جوں مجاہدات میں لطف بڑھتا جائیگا انسان اس نسبت کی تقویت و تربیت میں قدرۃً زیادہ مصروف ہوتا جائیگا،

(۱۳) لائحۂ سیزدہم، حقیقت حق تعالیٰ میں ہے،

"حقیقت حق سبحانہ و تعالیٰ جز ہستی نیست، و ہستی او را انحطاط و پستی نے مقدس است از سمت تغیر و تبدل و مبرا است از وصمت تکثر و تحویل، از ہمہ نشانہا بے نشان نہ در علم گنجد و نہ در عیاں"

(۱۴) لائحۂ چہاردہم، لفظ وجود کے معانی بیان کئے ہیں، ایک تحقق و حصول اور اور یہ اصطلاح حکماء و متکلمین میں ہے، دوسرے حقیقت قائم بالذات، یہ اصطلاح اہل عرفان و صوفیہ، اور اسی معنی میں یہ لفظ ذات حق کے مرادف ہے،

(۱۵) لائحۂ پانزدہم، صفات ایک معنی میں غیر ذات ہیں، اور ایک معنی میں عین ذات۔

«صفات غیر ذات اند من حیث المفہوم المعقول و عین ذات اند من حیث التحقق والحصول، مثلاً عالم ذات ست بہ اعتبار صفت علم و قادر بہ اعتبار قدرت و مرید بہ اعتبار ارادت، و شک نیست کہ اینہا چنانکہ بحسب مفہوم بایکدیگر متغایر اند مر ذات را نیز متغایر اند اما بحسب تحقق و ہستی عین ذات اند کہ آنجا وجودات متعدد نیست بلکہ وجود یست واحد»

(۱۶) لائحہ شانزدہم، ذات من حیث ذات تمام اسمار و صفات و اضافات سے عری ہے، لیکن اپنے ظہور و شہود میں ان سب سے متصف ہوتی جاتی ہے،" ور جوں جوں تجلیات میں کثرت پیدا ہوتی جاتی ہے، یہ اتصاف بھی بڑھتا جاتا ہے،

(۱۷) لائحہ ہفدہم، یہ لائحہ بہت مفصل ہے اسمیں مراتب تعینات اور ذات وحق کے غنائے مطلق پر دقیق پیرایہ میں گفتگو کی ہے، خاتمہ کے چند اشعار سننے کے قابل ہیں،

(۱) داماں غنائے عشق پاک آمد پاک — ز آلودگی وجود ما مشتی خاک
چوں جلوہ گر و نظارہ گر جملہ خود ست — گر ما و تو در میاں نباشیم چہ باک

(۲) واجب ز وجود نیک بد مستغنی ست — واحد ز مراتب عدد مستغنی ست
در خود ہمہ را چو جاوداں می بیند — از دیدن شاں بردن خود مستغنی ست

(۱۸) لائحہ ہیژدہم، ہر نوع حیوانی کے افراد کے تشخصات و تعینات کو اگر رفع کر کے دیکھا جائے، تو تمام افراد کے لئے اسم مشترک اِس نوع حیوانی کا نکلے گا، انواع حیوانی کے ممیزات کو اگر دور کیا جائے تو سب کے لئے، اسم مشترک حیوان نکلے گا، حیوانات و جسم نامی کے دوسرے انواع کے ممیزات کو دور کر دیا جاسے، تو جسم نامی باقی رہجائیگا، جسم نامی و دیگر انواع جسم کے ممیزات کو الگ کر دیا جائے تو حقیقت جسم باقی رہجائیگی، جسم و دیگر انواع جوہر کے ممیزات کو اگر رفع کر دیا جائے، تو جوہر

باقی رہے گا جوہر و اعراض کے میزات کو اگر حذف کر دیا جائے، تو اہم مشترک ممکن نکلے گا ممکن و واجب کے میزات کو بھی اگر حذف کر دیا جائے، تو سب سے آخر میں وجود مطلق باقی رہجائیگا، اور یہی تمام ذوات وصفات کا منتہیٰ ہے، سه

تاچند حدیث جسم و ابعاد وجہات — تا کے سخن معدن وحیوان و نبات
یکذات فقط بود محقق نہ ذوات — ایں کثرت وہمی ز شیون ست وصفات

(۱۹) لائحہ نوزدہم، یہ شیون و تجلیات جو ذاتِ واحد میں مندرج ہیں اُن کی وہ صورت نہیں ہوتی جو کل میں جزء کے ظرف میں مظروف کے اندراج کی ہوتی ہی بلکہ وہ صورت ہوتی ہے، جو موصوف و ملزوم میں اندراجِ اوصاف و لوازم کی ہوتی ہی، مثلاً ایک کے ہندسے میں اس کے نصف و ثلث، و ربع، و خمس وغیرہ کسرات الیٰ غیر النہایۃ کا شمول و اندراج ہے،

(۲۰) لائحہ بستم، وجود مطلق کی حقیقت بجائے خود بدستور اور غیر متغیر رہتی ہی خواہ وہ اپنے ظہور کے لئے جو قالب اور شیون و اعتبارات کے جو مظاہر اختیار کرے، نورِ آفتاب سے پاک و ناپاک دونوں منور ہوتے ہیں، آفتاب خود پاک یا ناپاک کچھ بھی نہیں ہوتا،

(۲۱) لائحہ بست ویکم، عام قاعدہ یہ ہے کہ مطلق بغیر مقید کے نہیں رہتا، اور مقید بغیر مطلق کے صورت نہیں اختیار کرتا، لیکن مقید محتاج ہوتا ہے مطلق کا، اور مطلق مستغنی ہے مقید سے پس لزوم و استلزام تو دونوں جانب سے ہی لیکن احتیاج صرف مقید کی جانب سے ہی،

مطلق بے مقید نہ باشد و مقید بے مطلق صورت نہ بندد، اما مقید محتاج است بہ مطلق، و مطلق مستغنی است از مقید پس استلزام از طرفین ست و احتیاج از یکطرف،

(۴۲) لائحہ بست و سوم، اس کا ماحصل اس رباعی سے ظاہر ہوگا، ؎

ہم سایہ و ہمنشیں و ہمرہ ہمہ اوست
در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست

در انجمنِ فرق و نہاں خانۂ جمع
باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

(۴۳) لائحہ بست و سوم، لیکن اگرچہ حقیقت وجود تمام مظاہر میں مشترک ہے پھر بھی مراتبِ شیون متفاوت ہیں، بعضہا فوق بعض اور ہر مرتبہ کے لئے الگ الگ اسماء وصفات و اعتبارات مخصوص ہیں، مرتبۂ الوہیت و ربوبیت کے اعتبارات اور ہیں، مرتبۂ عبودیت و خلقیت کے اور، سب کو متحد کر دینا عین کفر و زندقہ ہے ؎

اے بردہ گماں کہ صاحب تحقیقی
واندر صفتِ صدق و یقیں صدیقی

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

(۴۴) لائحہ بست و چہارم، موجود حقیقی جس کے مراتب بے شمار ہیں، جب اس پر انتہائی بے قیدی اور لاتعینی کے لحاظ سے نظر کیجائے تو اسے نہ کوئی عقل ادراک کر سکتی ہے، نہ کسی کشف کی رسائی اس تک ہو سکتی ہے، علم و عقل، کشف و عرفان سب اس مرتبۂ آخری کے ادراک سے عاجز ہیں، ؎

ہر چند کہ جاں عارف آگاہ بود
کے در حرم قدس تو اش راہ بود

دست ہمہ اہل کشف و ارباب شہود
از دامنِ ادراک تو کوتاہ بود

(۴۵) لائحہ بست و پنجم، حقیقت الحقایق (ذات الٰہی) فی حد ذاتہ واحد ہے، جس میں شمار و عدد کا گزر نہیں، البتہ بہ لحاظ تجلیات کثیر و متعدد، عین وحدت کے لحاظ سے اسے حق سے موسوم کرتے ہیں، اور بہ لحاظ ظہور تعدد و خلق ہے، ظہور و بطون اولیت و آخریت سب اسی کے نسب و اعتبارات ہیں، اور یہی معنی ہیں آیۂ کریمہ

ھو الاول والآخر والظاھر والباطن کے،

(۲۶) لائحہ بست وششم، اس میں شیخ ابن عربیؒ کے اس قول کی مفصل شرح بیان کی ہے، کہ عالم عبارت ہے ان اعراض سے جو عین واحد میں، کہ حقیقت ہستی ہے، مجتمع ہوگئے ہیں، اور ان میں ہر لحظہ و ہر آن تجدد و تبدل ہوا کرتا ہے جیسا آیۂ کریمہ سے مترشح ہوتا ہے، بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ

(۲۷) لائحہ بست وہفتم، جمال وحدتِ حقیقی کے حق میں عظیم ترین حجاب اور کثیف ترین نقاب اس کے یہی تقیدات وتعینات ہیں جنہیں نظریں الجھ کر رہجاتی ہیں، لوگ موجوں کے کھیل تماشہ میں کچھ ایسے محو ہوجاتے ہیں، کہ سمندر کی موجودگی کا احساس ہی جاتا رہتا ہے ؎

بحریست وجود جاوداں موج زناں ۔۔۔ زاں بحر ندیدہ غیر موج اہلِ جہاں

از باطن بحر موج بین گشتہ عیاں ۔۔۔ بر ظاہر بحر بحر در موج نہاں

(۲۸) لائحہ بست وہشتم، حقیقتِ ہستی اپنے جمیع شیون وصفات نسبت و اعتبارات کے ساتھ ہر موجود کی حقیقت میں شامل وساری ہے، شیخ محمود شبستریؒ صاحب گلشنِ راز اسی مسئلہ کو یوں بیان کرتے ہیں،

دلِ یک قطرہ راگر بر شگافی ۔۔۔ بروں آید ازو صد بحرِ صافی

(۲۹) لائحہ بست ونہم، جو افعال مظاہر سے صادق ہوتے رہتے ہیں اُن کے صدور کا انتساب از روئے صورت اِن مظاہر کی جانب صحیح ہے، لیکن نہ از روئے حقیقت کہ نفس الامر میں سب کا انتساب صرف اسی ذاتِ واحد کی جانب صحیح

ہو سکتا ہے، جیسا کہ کلام پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔ "واللہ خلقکم وما تعلمون"

(۳۰) لائحہ سی ام، ہر امر وجودی بجائے خود خیر محض ہے، جن افعال میں شر و نقصان کا پہلو نکلتا ہے، وہ ان افعال وجودی کا بجائے خود نتیجہ نہیں، بلکہ اس اعتبار سے ہے، کہ فلاں امر وجودی نے ایک دوسرے امر وجودی کو معدوم کر دیا،

"چوں صفات و احوال و افعال کہ در مظاہر ظاہر است فی الحقیقۃ مضاف بحق ظاہر در آں مظاہر است الیس اگر احیانا در بعضے از آنہا شرے و نقصانے واقع باشد از جہت عدمیت امرے دیگر تواند بود، زیرا کہ وجود من حیث ہو وجود خیر محض است و از ہر امر وجودی کہ شرے متوہم میشود، بہ واسطۂ عدمیت امر وجودی دیگر است نہ بواسطۂ آں امر وجودی من حیث ہو امر وجودیؒ"

زید اگر بکر کو قتل کر ڈالتا ہے، تو یہ واقعہ اپنے اثباتی یا ایجابی پہلو یعنی زید کی قوت و قابلیتِ قتل کے لحاظ سے مذموم نہیں، بلکہ اپنے عدمی و سلبی پہلو یعنی اس لحاظ سے مذموم ہے کہ اس کے باعث بکر کی حیات مرتبۂ تکمیل تک نہ پہونچ سکی،

(۳۱) لائحہ سی ویکم، شیخ صدرالدین قونویؒ کے ایک قول کی شرح کی ہے، اور بتایا ہے کہ علم تابع ہے وجود کے، ہر حقیقت وجودی کے لئے ایک علم ہے، اور تفاوتِ حقائق وجود کے مناسب تفاوتِ علم بھی ہوتا رہتا ہے،

(۳۲) لائحہ سی ودوم، جس طرح حقیقتِ ہستی مطلق جمیع موجودات کی ذوات میں شامل و مندرج ہے، اسی طرح اس کے صفات بھی جمیع صفات موجودات میں جاری و ساری ہیں،

(۳۳) لائحہ سی وسوم، اصل عبارت سننے کے قابل ہے،

"حقیقتِ ہستی ذاتِ حق سبحانہٗ تعالیٰ شیون ونسب و اعتبارات آں صفات
او و اظہار او مرخود ش را متلبسہ بہمن النسب والاعتبارات فعل وتاثیر
فعل تاثیر او تعینات ظاہرہ مرتبہ علی ہمن الاظہار آثار او

(۴۳) لائحۂ سی وچہارم حضرتِ حق کی دو تجلیات ہیں، ایک علمی غیبی جس کو
صوفیہ فیضِ اقدس سے موسوم کرتے ہیں، دوسرے شہادی وجودی جس کا اصطلاحی
نام فیضِ مقدس ہے،

"و ایں تجلی ثانی مترتب بر تجلی اول ست و مظہر ست مرکمالاتے را کہ بہ تجلی اول
در قابلیات و استعدادات اعیان اندراج یافتہ بود،"

ضمیمہ (۱)

"فقرِ محمدیؐ"

پُرانے مشایخِ طریقت میں، ایک بزرگ شیخ احمد بن ابراہیم الواسطیؒ گذرے ہیں، جنکو شیخ عبدالحق دہلویؒ "عالمِ عامل" اور "عارفِ کامل" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اور شہادت دیتے ہیں، کہ،

از کبارِ مشایخِ دیارِ عرب بود و مقتدائے	عرب کے مشہور مشائخ میں سے تھے اور اپنے
روزگار، و در طریقِ اتباعِ سنت و تقویم	زمانہ کے پیشوا اور پیروئ سنتِ رسولؐ، اور
و ترویجِ ایں طریقہ بے نظیرِ وقتِ خود بود	اس کے پھیلانے میں اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے

ان بزرگ کا عربی میں ایک رسالہ الفقر المحمدی کے نام سے ہے، شیخ دہلویؒ کو ایک نسخہ اس کا ہاتھ لگ گیا، اس کا فارسی ترجمہ انھوں نے تحصیل التعرف الی الابدی باختیار فقر احمدیؐ کے نام سے کردیا، جو ان کے مجموعہ رسائل و مکتوبات میں نمبر پانچ پر شایع ہوا ہے، آج تصوف کے بہت سے دشمن اور مخالفین، اور بہت سے دوست و موافقین، اس کو شریعت اسلام سے علیحدہ کوئی مستقل نظام سمجھ رہے ہیں، ان دونوں گروہوں کے حق میں، شاید اس کے بعض مطالب کا مطالعہ مفید ہو، ترجمہ لفظی نہیں، عنوانات میرے اضافہ کئے ہوئے ہیں، اور مضامین کی ترتیب بھی

پیری ہی قائم کی ہوئی تھی،

تصوف کا اصل اصول اگر سچی درویشی اور اصلی فقیری کی طلب ہے جس کی جڑ مضبوط اور جس کی شاخیں بلند ہوں، تو لازم ہے کہ محمدؐ رسول اللہ صلعم کی فقیری اور درویشی کو اختیار کرو، اور انھیں کی پیروی کرو کہ صاف اور پاکیزہ پانی وہیں ملتا ہے جہاں سے چشمہ پھوٹتا ہے، اور بعد کے آنے والوں کی درویشی کو اختیار نہ کرو، کہ پانی سرچشمہ سے دور جاکر گدلا ہو جاتا ہے، اور اس کا رنگ اصلی باقی نہیں رہتا،

اس مسلک کا انجام: اصل طریقۂ محمدی پر اگر قائم رہے تو امید ہے کہ اگلوں سے جا ملو جو پیغمبر خدا صلعم کے اصحاب میں سے تھے، اور قیامت کے روز پیغمبرؐ کے جھنڈے کے نیچے پیمبرؐ و یاران پیمبرؐ کے ساتھ تمھارا حشر ہوگا، یہ وہ وقت ہوگا کہ دوسرے اپنے اپنے شیوخ اور مرشدوں کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے لیکن تمھارے اوپر اس وقت تمھارے شیخ یعنی حضور رسول خدا صلعم کے جھنڈے کا سایہ ہوگا،

تصوف کے معنی: لوگوں کی زبان پر آج فقر فقر ہے لیکن اس کی حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں، نہ یہ جانتے ہیں کہ اس کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے، اور نہ یہ خبر ہے کہ اس کی انتہا کیا ہے، اگر فقر کے معنی سمجھ میں آجائیں، اور اس کے ابتدائی مدارج کا علم ہو جائے تو اس پر اس کی انتہا کا بھی قیاس کیا جاسکتا، فقر کے میدان میں قدم رکھنا صرف اسی وقت ممکن ہے جب ممنوعات سے بچئے، اور احکام کی تعمیل پر قدرت حاصل ہوئے،

لازمی شرطیں: اس رنگ میں ڈوبنے کے لئے پہلی شرط یہ ہے، جس طرح کہ جس اپنے جسم کو گناہ سے محفوظ رکھتا ہے، اسی طرح فقیر اپنے دل کو خیال گناہ سے

محفوظ رکھے، اور اگر دل میں کبھی کوئی خطرہ پیدا ہو، تو فوراً اس سے توبہ کرے،
فقیر ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے دلوں میں مرضیٔ الٰہی کے خلاف کسی خطرہ کا
گذر ہی نہیں ہوتا، انھیں اس امر کی شرم ہوتی ہے کہ خدا کی دوستی کا دعویٰ کرکے
کسی غیر خدائی خیال کو دل میں آنے دیں، یہ فقر کا ابتدائی مرتبہ ہے، جب تک
یہ قدرت نہ حاصل ہو لے، زبان پر فقیری کا نام لاتے ہوئے بھی شرمانا چاہئے،

گناہ سے بچنے، احکام کی پابندی کرنے، اور دل کو خطرات اور دساوس
سے محفوظ کرلینے کے بعد دوسری شرط فقیر کے لئے یہ ہے، کہ خدا کی طلب و
محبت دل پر اتنی غالب آجائے، اور طبیعت خدا کی محبت سے اس قدر
مغلوب ہو جائے، کہ دنیا کے تمام فوائد و منافع بالکل جل جائیں، اور ان کا
خیال تک نہ آنے پائے، دل کو محض محبوب حقیقی و مطلوب اصلی کے لئے
مخصوص ہو جانا چاہئے، اور ماسویٰ سے بالکل خالی ہو جانا چاہئے، جب تک
یہ کیفیت نہ طاری ہو جائے، فقیری کا دعویٰ کرنے سے شرمانا چاہئے،

کاملین کا مرتبہ، اوپر جو شرطیں بیان کی گئیں، یہ مبتدیوں کے لئے ہیں، جب دل
کو انھیں کے سننے کی تاب نہیں، اور ان پر عمل کی توفیق نہیں، تو کاملین کے
مرتبۂ کمال کو وہ کیونکر سمجھ سکتا ہے، اور اس کی تشریح اس مختصر رسالہ میں کیسے
کیجا سکتی ہے، صرف ان کے مرتبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے،

جھوٹے مدعی، رونے کا مقام ہے، کہ ہم میں ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے، جو حرام کھاتا
ہے، اور باطل میں مشغول رہتا ہے، جو ان لوگوں کو مل جائے، وہی ان کے
نزدیک حلال ہے، اور جو نہ ملے وہی حرام ہے، دن رات انھیں یہ دھن سوار

رہتی ہے، کہ لذیذ غذائیں کھانے کو اور خوبصورت چہرے دیکھنے کو اور نغمہ کی آوازیں سننے کو ملتی رہیں، اور اس دھن میں یہ بڑے بڑے دعوے زبان سے نکالتے ہیں اور اپنے میں وجد و حال ظاہر کرتے ہیں، تاکہ عوام ان کے معتقد ہوں، اور انھیں دنیا کچھ اور ہاتھ آئے، ان لوگوں کو نہ حلاوتِ اسلام سے واسطہ، نہ لذتِ ایمان سے سروکار، ساری ساری رات رقص و سماع میں مصروف رہتے ہیں، اور نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں، تو گویا ٹکریں مار کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور امیروں اور بادشاہوں کے ہاں کی آمد و رفت، اور ان سے نذریں حاصل کرنے پر فخر کرتے ہیں، خدا تعالیٰ انکے شر سے بچائے، کہ دنیا کے رہزنوں سے کہیں بڑھکر یہ دین کے رہزن ہیں، دنیا کا رہزن مال لیجاتا ہے، اور یہ دولتِ ایمان پر ہاتھ صاف کرتے ہیں، عوام پر انکے لباسِ فقر کا اثر پڑتا ہے، اور وہ سمجھنے لگتے ہیں، کہ فقیری اسی کا نام ہے،

سچے فقیر کی علامات، محمدی فقیروں کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ قرآنِ کریم کے ذوق سے مست رہتے ہیں، اور اس کی آواز پر وجد کرنے لگتے ہیں، اور اس کے سننے کے وقت ان پر خود متکلم (یعنی خدا) کی تجلیوں کا عکس پڑنے لگتا ہے، کیسے غضب کی بات ہے، کہ جس محبوب کی محبت کا دعویٰ کیا جائے، اس کے کلام میں لطف نہ آئے، اس کے لئے طبیعت حاضر نہ ہو، اور لطف آئے، تو شعر و قصیدہ پر گانے بجانے پر، اور تالیوں پر!

سماع اور قرآن، اللہ کے دوستوں اور عاشقوں کے لئے ساری لذت و حلاوت قرآن میں ہے، اور ان کے دلوں کی راحت و تسکین کا سامان اسی میں ہے، کلام کے ساتھ ہی ان کا دل متکلم سے وابستہ ہو جاتا ہے، اور قرآن کے احکام و قصص

مواعظ و اخبار، وعد و وعید کو سنتے ہی اُن کے دلوں میں گداز پیدا ہوجاتا ہے، اور
متکلم کی عظمت میں وہ اپنی ہستی گم کردیتے ہیں اور جو یہ کہا جاتا ہے، کہ شعر کو نہ کہ قرآن
کو طبیعت بشری سے خاص مناسبت ہے، اس لئے اشعار کو سنکر دل میں قدرتی
تحریک پیدا ہوتی ہے، سو یہ قول لغو و بے حقیقت ہے، اس لئے کہ شعر کے وزن
اور موسیقی کے تال سُر پر حرکت کرنا جبلت حیوانی کا تقاضا ہے چنانچہ حیوانات
اور بچے، سب اچھی موسیقی سے اثر قبول کرتے ہیں، یہ فطرت حیوانی ہے، انسان
کی اعلیٰ فطرت کا درجہ اس سے کہیں بلند ہے، جن کے دلوں میں ایمان گھر کر چکا ہو
اور محبت الٰہی حلاوت حاصل کر چکی ہے، جیسا کہ حضرات صحابہؓ اور ان کے بعد
کے آنے والوں کا حال تھا، سو ان کے قلب کو حرکت میں لانے والی، اور
ان کے شوق، وجد، رقت، اور خشوع کو بڑھانے والی شے قرآن پاک کی
سماعت ہی ہوسکتی ہے، ؎

عملی ہدایات | صحیح تصوف، یا فقر محمدی میں قدم رکھنے والے کے لئے عملی ہدایتوں
میں سے پہلی شے یہ ہے:-

"اپنے پروردگار کے سامنے، جس نے قرآن اور رسول صلعم جیسی پاک
نعمتیں اتاری ہیں، صدق دل سے توبہ کرنا، پھر تنہائی میں جاکر سب کی نظروں
سے الگ وضو کرکے دو رکعتیں خشوع قلب کے ساتھ پڑھنا، اس سے فارغ ہوکر
ننگے سر، ہاتھ باندھے ہوئے اپنی خطاؤں پر نادم ہوکر اتنی دیر تک کھڑے رہنا کہ
دل میں گداز پیدا ہوجائے، اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوجائیں
اس وقت رو رو کے توبہ و استغفار کرنا، اور الفاظ حدیث کے مطابق سید الاستغفار

پڑھنا، بطریق پیروی رسول صلعم پر قایم ومضبوط رہنے کے لئے توفیق چاہنا، اور آیندہ کیلئے مضبوط عہد کرنا کہ آنکھ، کان، زبان، شکم، شرمگاہ اور ہاتھ پیر ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رہیں گے ایسا کہ جب دن ختم ہو، تو نہ زبان کسی کی بدگوئی، جھوٹ، بدزبانی وغیرہ سے آلودہ ہوئی ہو۔ نہ کان نے کوئی بیجا بات سنی ہو، اور نہ آنکھ کسی ایسی چیز پر پڑی ہو جسکا دیکھنا شرعاً پسندیدہ نہ تھا، اور نہ خالق ومخلوق میں سے کسی کا حق اپنے اوپر باقی رہنے پائے،

عملی ہدایات کی دوسری دفعہ یہ ہے، کہ نماز باجماعت، اپنے ارکان وآداب وحضور قلب وغیرہ کی پوری پابندیوں کے ساتھ ادا کیجاسے ایسی کہ حدیث میں جو لفظ ،،احسان،، آیا ہے، اس کی پوری عملی تفسیر ہوتی رہے، حال صحیح وہی ہے جو حالت نماز میں طاری ہو، بندہ اور پروردگار کے درمیان رابطہ پیدا کرنے والی شئے نماز ہے، پس اگر نماز میں حضور قلب نہیں پیدا ہوتا تو اسکا کوئی حال معتبر نہیں، اس لئے کہ جن بندہ کے حجابات، ایسی منزل قرب میں بھی پہونچ کر دور نہیں ہوئے، اس کے لئے کسی دوسرے موقع پر اس کی کیا امید ہو سکتی ہے، حیف ہے کہ سماع شعر کے وقت تو قلب حاضر ہو، لیکن جو وقت عین حضوری حق کا ہوتا ہے، اسی وقت غائب ہو، ایسی فقیری فاسد، اور ایسی درویشی ناجائز۔"

بنیادِ کار، سچے تصوف کی بنیاد، رسول کریم صلعم کے ساتھ محبت و ربط قلب پیدا کرنے پر ہے، اپنے دل کو اُس ذات گرامی کی محبت میں اٹکایا جائے، اسی کو اپنا شیخ اور اپنا امام بنایا جائے، اسی کے نام پر بکثرت درود وصلوٰة بھیجا جائے، اور اسی کے ساتھ پیوند محبت مستحکم کرلیا جائے، تمام درویشوں کو دیکھا ہوگا کہ ان کے دلوں میں، ان کے مرشدوں کی عظمت ایسی بیٹھ جاتی ہے، کہ وہ جب کبھی اپنے شیخ یا مرشد

کا نام سنتے ہیں، تو بےچین ہو جاتے ہیں، یہی کیفیت، یہی نسبتِ قلب سچے درویش کو رسول کریم صلعم کی ذاتِ گرامی کے ساتھ پیدا کر لینی چاہیے، اپنا امام اور شیخ انھیں کو بنانا چاہیے، دل میں خیال آئے تو انھیں کا، آنکھوں میں صورت پھرتی رہے تو انھیں کی، کان لذت حاصل کریں تو انھیں کے نام مبارک سے عظمت کا احساس پیدا ہو تو انھیں کے ذکر سے، زبان انھیں پر درود بھیجنے میں لگی رہے، دل میں انھیں کے حالات سننے اور جاننے کا ذوق پیدا ہو، حدیث و آثار کے پڑھنے سے علاقۂ محبت کو اور ترقی ہو، شوق و اشتیاق ہو تو انھیں کا، یاد ہو تو انھیں کی، پیروی ہو تو انھیں کی، ہر امر میں انھیں کے حکم کی تعمیل اور پیروی کا شوق غالب ہو، اور ان کی پیروی میں اتنی شدت برتی جائے، کہ ہر شخص دیکھتے ہی "محمدی" سمجھ لے،

رسالہ کے اہم اور ضروری مطالب کا ملخص سطور بالا میں آگیا، شیخ عبدالحق دہلوی ان تمام مطالب کو نقل کرنے کے بعد خود بھی ان کی پرزور تائید کرتے ہیں، کیا اہل شریعت اس میں کوئی امر اپنے عقیدہ کے خلاف پاتے ہیں، ؟ کیا اہل طریقت کو اس میں کہیں حرف رکھنے کی گنجایش ہے ؟ کیا کسی گروہ کو کوئی وجہ اعتراض ہے؟

ہمارے سچے رسول صلعم کی زبان سے یہ پیام دنیا کو پہونچا تھا، کہ غیر مسلم اگر خدائے واحد و یکتا کی پرستش پر متفق ہو جائیں، تو مسلمانوں سے فوراً صلح ہو سکتی ہے، اگر آج سارے اسلامی فرقے، رسول صلعم خاتم و برحق کی محبت و اطاعت کے مرکزی نقطے پر آکر جمع ہو جائیں، تو آپس کی رنجش و نفیض، رد و کد کے لئے کوئی گنجایش رہ جاتی ہے؟

ضمیمہ (۲)

مرشد کی تلاش

صوبۂ اودھ کے ایک قصبہ سے ایک صاحب کا ایک بہت طویل مراسلہ مہینوں سے آیا ہوا پڑا ہے، دوسرے مضامین کے ہجوم نے ابتک توجہ نہ کرنے دی مراسلہ کا زیادہ حصہ حسب ذیل ہے :-

"مدت سے ایک ضمیری الجھن میں مبتلا ہوں، اور کوئی روحانی طبیب مجھے ملتا نہیں، بحیثیت مسلمان پیری مریدی سے متعلق آپ کے حقیقت انگیں خیالات سے مستفیض ہونا چاہتا ہوں، خوش نصیبی یا بد نصیبی سے میرے خاندان میں دونوں شغل ہوتے ہیں، مجھے کسی اللہ والے سے نسبت ارادت حاصل نہیں، بہت گنہگار ہوں مگر قلب و ضمیر کی حالت بحمد اللہ بہت کچھ قابلِ اطمینان ہے، ......

اسلامی نقطۂ نظر سے پیری مریدی کے اغراض و مقاصد کیا ہیں، ؟ ملتِ مرحومہ کے لئے من حیث الاسلام یہ کہاں تک لازمی ہے ؟ کیا قرنِ اول میں جو یقیناً اسلام کا عہدِ سعادت تھا، ایسی مثالیں ملتی ہیں ؟ عہدِ نبوت و عہدِ صحابہؓ کے بعد دور تابعین میں بھی کیا پیری مریدی کی یہ کثرت اور ناخوش آیند بہتات تھی ؟ تمسک بالکتاب والسنۃ کے بعد کیا یہ بھی لازمی ہے کہ کسی رسمی پیر کی پیروی کیجائے ؟

ایک مسلمان امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا پابند، اللہ سے ڈرتا، سچ بولتا، مشائخ کرام
صلحائے امت کا ادب واحترام رکھتا ہو، لیکن عرف عام میں مرید نہیں کیا عند اللہ
وہ اس کا ذمہ دار ہے؟ اگر بیعت کا مقصد دعوت الی الحق، رشد وہدایت وغیرہ ہے،
تو آج کل پیروں کی جماعت عموماً یہ خدمات کہاں تک انجام دے رہی ہے، پھر
محترم علمائے امت کی موجودگی میں اس جماعت کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پھر صوفیہ کرام
کی جماعت میں اگر کچھ صاحبانِ علم وعمل افراد ہیں بھی تو ان میں ایسوں کا تو بالکل
پتہ نہیں جو بلاخوف لومۃ لائم اظہارِ حق میں بیباک ہوں......

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسوۂ حسنہ محفوظ ہیں، کیا ان سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے، کہ
مسلمانوں کی دو جماعتیں ہونی چاہئیں، ایک دین کی رہنمائی کے لئے اور دوسری دنیا
کی، یا یوں کہا جائے، کہ ایک مسلمانوں کے قلب وضمیر کی اصلاح کرے اور دوسری شریعت
کے ظاہری احکام کی طرف رہنمائی؟ پھر اگر کوئی مسلمان اپنی فطری صلاحیت سے اپنے
اخلاق کی اصلاح کرنا چاہے تو کیا یہ ممکن نہیں؟

جنابِ رسالتمآب صلعم کے ارشادِ گرامی، من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ
مات میتۃ الجاھلیۃ، کا کیا مفہوم ہے؟ امام سے مراد امیرِ امت، قائدِ عسکر،
مرشدِ طریقت، امامِ جماعت، لیکن اول الذکر دو صورتوں میں ہندوستان کے سات
کروڑ حلقہ بگوشانِ اسلام کے لئے صورتِ تشفی کیا ہے؟

مشائخِ کرام سورۂ فتح کی آیہ کریمہ ان الذین یبایعونک الخ سے استدلال
فرماتے ہیں، اور بیعتِ طریقت کو لازمی بتاتے ہیں، کیا موجودہ بیعتوں کو کوئی نسبت اس
بیعت سے ہے؟ اسلام میں بیعت کی مختلف صورتیں ہیں، متداول بیعتیں کس شق میں داخل ہیں؟

ایک بیعت اس خیال سے بھی کی جاتی ہو کہ چاہے تمام عمر کچھ بھی کرتے رہیں، لیکن اگر کسی سلسلہ میں داخل ہوگئے، تو ہمارے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، .....

اب واقعی بیعت کی دو صورتیں رہ گئیں، کسی مسلمان کا اپنے گناہوں سے پشیمان ہونا اور کسی محترم شخصیت کے ہاتھ پر ترکِ گناہ کا عہد کرنا... مگر ظاہر ہے کہ آجکل یہ خیال سرے سے پیشِ نظر ہی نہیں، اب رہی دوسری صورت اور وہی یقیناً بیکار ہے، یعنی کسی مسلمان کو پورا پورا پابندِ شریعت اور متبعِ سنت بنائے اور اس کے قدم بہ قدم چل کر اپنی دنیا و عاقبت سنوارے، لیکن جناب محترم مجھ سے کہیں زیادہ باخبر ہیں کہ آج مسلمان اس پر کہاں تک عامل ہیں...... جامعہ عثمانیہ کے ایک ممتاز فاضل سے تبادلۂ خیال کا اتفاق ہوا، ان کی تقریر کا ماحصل یہ نکلا کہ مسلمان ان معاملات میں بھی دوسرے اقوام کے عقائد و خیالات سے متاثر ہوئے، اور انھوں نے کچھ تاریخی شہادتوں سے استناد کیا،،

مراسلہ نویس کے دل میں جو خیالات اور سوالات پیدا ہوئے ہیں بہتوں کے ذہن انھیں الجھنوں میں مبتلا ہیں،، اور سچ یہ ہے کہ جس سے وہ جوابات اور اپنی تشفی چاہتے ہیں، وہ خود بھی نہ ابھی تک کسی کا مرید ہے، اور نہ ان الجھنوں سے آزاد ہو چکا ہے، بیمار کے علاج کے لئے ضرورت طبیب کی ہے، نہ کہ کسی دوسرے بیمار کی، تاہم بعض پرانے مریض، طبیبوں کی باتیں سنتے سنتے خود بھی کچھ نیم طبیب ہو جاتے ہیں، اور گو خود بدستور بیمار چلے جاتے ہیں، لیکن اپنے ان تجربوں سے نئے مریضوں کی ایک گونہ ہمدردی و دلدہی کر سکتے ہیں،

سب سے پہلے ایک اہم حقیقت کو پیشِ نظر کر لینا چاہئے، جو اگرچہ بالکل صاف

واضح اور غیر اختلافی ہے، لیکن اکثر ذہن سے نکل جاتی ہے اور اسی کے نظر انداز ہو جانے سے طرح طرح کی غلط فہمیاں اور الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ خالص دینی علوم بھی آج جن باآئین و باضابطہ صورتوں میں موجود ہیں، اور جو مصطلحات ان میں رائج ہیں، عہدِ رسالتمآب صلعم میں ان میں سے کوئی شے بھی نہ تھی، اور اس خاص لحاظ سے یہ سب "بدعت" ہی ہیں، خود سنتِ رسول صلعم ہی کو لیجئے، آج فنِ احادیث و سنن ایک مستقل و مخصوص فن ہے، جسمیں صدہا اصطلاحات ہیں، جس کے اصول پر تصانیف کا ایک دفتر ہے، جس کی مختلف شاخیں اور شعبے ہیں، اور جس کے سیکھنے کے لئے برسوں کی محنت اور اساتذۂ کاملین کی ہدایت کی ضرورت ہے، ظاہر ہے کہ عہدِ رسالت صلعم میں یہ کچھ بھی نہ تھا، رسول اللہ صلعم کی معمولی سادہ گفتگو کا نام "حدیث" اور روزانہ زندگی کا نام "سنت" تھا، بایں‌ہمہ محدثین کرام کی کاوشوں کو کوئی شخص بدعت، کہنے کی جرات نہیں کر سکتا، یہی حال ائمہ تفسیر کی نکتہ سنجیوں اور ائمہ فقہ کے قیاس، اجتہاد و استنباط کا ہے، لغوی معنی کے لحاظ سے یہ سب کچھ بدعت ہی ہے، لیکن اگر حقیقۃً بخاری و مسلم، ابوحنیفہ و مالک رحمۃ اللہ علیہم کی جانفشانیوں سے یکسر قطعِ نظر کر لیجائے، تو شریعتِ اسلام کے پاس باقی کیا رہجائیگا؟ خود صحیفۂ ربانی تک، اس ہیئت و ترتیب و تدوین کے ساتھ مکتوبی صورت میں، عہدِ رسالت میں کہیں یکجا موجود نہ تھا،

بات بالکل صاف اور موٹی ہے لیکن ذہنِ انسانی کا خاصہ ہے، کہ اکثر سامنے کی چیزوں کو بالکل بھلائے رکھتا ہے، اور دور دور کی باریکیوں میں الجھنے لگتا ہے، غرض جو حال فقہ کلام، تفسیر کا ہے، حدیث کا ہے، ٹھیک وہی حال

تصوف وسلوک کا ہے، رسول اللہ صلعم کے عہدِ مبارک میں نہ لفظ "تصوف" موجود تھا، نہ لفظ "صوفی" اور نہ "احوال" "مقامات" "اذکار" و "اشغال" کی وہ سیکڑوں دوسری اصطلاحیں جنہیں موجودہ تصوف بھرا پڑا ہوا ہے "پیری" "مریدی" کے الفاظ بھی اس زمانہ میں ناپید تھے پس جہاں تک لفظ و اصطلاح کا تعلق ہے، یہ دعوی بالکل درست ہے، کہ تصوف اور پیری مریدی بدعت ہے، لیکن اس معنی میں خود فن حدیث بھی بدعت ہے، کہ رسول اللہ صلعم کے عہدِ مبارک میں نہ کوئی فن اسمار الرجال تھا، نہ "جرح" "تعدیل" کے اصول وقواعد مدون تھے، نہ "ضعیف" "موضوع" کی اصطلاحیں وضع ہوئی تھیں، اور نہ کوئی دماغ "متواتر" "صحیح" "حسن" "غریب" کی بحثوں سے آشنا ہوا تھا، لیکن لفظ و اصطلاح کی بحث سے گزر کر اگر اصل حقیقت تک پہونچنا مقصود ہے تو جس طرح ہر صحابی، بزم رسول صلعم کا ہر صحبت یافتہ، دربار رسول صلعم کا ہر حاضر باش، مفسر تھا محدث تھا، اور فقیہ تھا، اسی طرح صوفی بھی تھا، اور بلا استثنار ہر صحابی، مرید بھی تھا، جس کے پیر، مرشد کل، سرکار رسالت صلعم تھے۔

کہا جاتا ہے کہ "تمسک بالکتاب والسنۃ کے بعد کسی رسمی پیر کے مرید ہونے کی ضرورت کیا رہتی ہے،" سارا مغالطہ سوال کے لفظ "رسمی" میں موجود ہے، "رسمی" تو کسی شے کی بھی ضرورت نہیں، نہ رسمی اسلام کی، نہ رسمی اتباعِ رسول صلعم کی، نہ رسمی تمسک بالکتاب کی لیکن حقیقی اسلام حقیقی ایمان حقیقی تمسک بالکتاب والسنۃ بغیر کسی زندہ شخصیت کے توسط کے ممکن کیونکر ہے؟ اور اسی زندہ شخصیت کا اصطلاحی نام "پیر" ہے "مرشد" ہے، "صاحب بیعت و ارشاد" ہے، ابوبکر و عمر رض عثمان رض و علی رض، حسن رض و

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمعین سے بہتر فطری صلاحیت و استعداد کس میں موجود ہو سکتی ہے، پھر جب ان کے لئے ایک زندہ شخصیت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع ناگزیر رہا، تو اور کسی کو کب مفر ہو سکتا ہے؟ حدیث کی جن کتابوں کو ہم سرچشمہ تقدیس سمجھ رہے ہیں'' ان کے نقوش و حروف' ان کے کاغذ کی سفیدی اور الفاظ کی سیاہی میں کیا رکھا ہوا ہے'' ان میں جو کچھ تقدس ہے، وہ سارے کا سارا اسی بنا پر تو ہے' کہ ان کے اندر کسی زندہ شخصیت کی روح' کس حد تک محفوظ ہے' یہ روح مردہ کاغذ کے مردہ طوماروں میں تو محفوظ ہو جائے'' اور زندہ انسان کے زندہ قلب میں نہ محفوظ ہو سکے! یہ روح الماریوں کے سفینوں میں تو منتقل ہو جائے'' اور پاکوں اور پاکبازوں کے سینوں کو منور نہ کر سکے!

قرآن رسول کا تو کلام نہیں' اللہ ہی کا کلام ہے'' اور بندوں کی ہدایت ہی کے لئے نازل ہوا ہے، یہ بھی ہم سب کا ایمان ہے'' اور خود قرآن بار بار اس کا دعویٰ کرتا ہے' کہ اس میں ساری ضروری ہدایات تفصیل و تشریح کے ساتھ موجود ہیں! بایں ہمہ یہ نہ ہوا' کہ قرآن براہ راست تمام بندوں کے پاس پہونچ جاتا' منکرین اور مومنین اسے آسمان سے اترتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے' کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہوا مل جاتا' یا ایک روز جب صبح ہوتی تو اس کا ایک ایک نسخہ ہر شخص کے سرہانے رکھا ہوا موجود ہوتا! اس طرح کی تو کوئی چیز بھی نہ ہوئی' بلکہ اللہ نے اس کے بالکل برعکس طریقہ یہ اختیار کیا' کہ پہلے ایک انتہائی بدکار قوم کے درمیان ایک پاک و برگزیدہ ہستی پیدا کی' چالیس برس کی عمر تک اس شخصیت کو اس قوم کے درمیان ہر قسم کے سابقہ کے ساتھ رکھا'' اور اس کی طینت و سیرت کے ایک ایک جزئیہ کی جانچ

اور پرکھ کا پورا موقع دیا، جب یہ سب مراتب طے ہو چکے، اس وقت کہیں جا کر پیام کا نزول شروع ہوا، لیکن اس وقت بھی "پیام" کے پیش کرانے سے قبل "پیام بر" کی شخصیت ہی کو پیش کر دیا گیا، اور جب قوم اس شخصیت کے صادق و امین ہونے کا اقرار کر چکی تب اس سچے کی زبان سے سچی باتیں کہلائی جانی شروع ہوئیں، اس پر بھی سارے پیام کو یک بیک اور دفعۃً نہیں پیش کر دیا گیا، بلکہ پیامبر کی شخصیت پر مختلف اور متعدد دور طاری کر کے ۲۲ - ۲۳ برس کی طویل مدت میں، بہت ہی، تدریج کیساتھ اس پیام کو پہونچایا گیا، پس فطری اور ربانی طریقہ تو یہی ہے، کہ پہلے پیامبر پھر پیام پہلے طبیب پھر نسخہ، پہلے ہادی، پھر ہدایت، اب اگر ہم اس ترتیب کو الٹ دینا چاہیں اگر ہادی سے بے نیاز ہو کر ہدایت تک، اور شخصیتوں سے قطع نظر کر کے محض اصول و مسائل تک، پہونچ جانا چاہیں، تو یہ ترتیب ربانی سے جنگ کرنا ٹھہری،

یہ نہ خیال گذرے، کہ یہ طریق دعوت و ہدایت صرف وحی الٰہی کے ساتھ مخصوص تھا، بلکہ رسول اللہ صلعم نے اپنے بعثت کے بعد اپنے قصد و ارادہ کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے، آپ نے یہ نہ کیا، کہ قرآن مجید کے نسخوں کی نقلیں کثرت سے کرا کے محض انھیں، اطراف ملک میں بھیجدیا ہوتا، یا اپنے اقوال و سنن کو ضبط تحریر میں لا کر ملک میں ان کے نسخے کی اشاعت کر دی ہوتی، بلکہ آپ نے صحابیوں کی جماعت پیدا کی، اشخاص پیدا کئے، جو اپنی زندگیوں میں آپ کی تعلیم اور آپ کے عمل کے عملی نسخہ تھے، اور دین کی روشنی آپ نے ان زندہ مشعلوں کے ذریعہ سے پھیلائی، اللہ کے رسول (صلعم) نے یہ بھی نہ کیا، کہ کسی گوشہ میں تشریف فرما ہو کر سکون و خاموشی کیساتھ قلم و کاغذ لے کر تصنیف و تالیف میں مشغول ہو جاتے اور حسن عمل و حسن اخلاق کو

مقالات تیار فرمانے لگتے، بلکہ آپ نے اپنی نورانیت سے قلوب کو منور کرنا شروع کیا اور اپنی پاکیزگی کے عکس سے دوسروں کے سینوں کو پاک بنا دیا، رسول خدا صلعم نے کچھ تصنیفات اپنی یادگار چھوڑیں؟ ہاں، بے شبہہ چھوڑیں لیکن وہ کاغذ کے طومار، اور سیاہی کے ڈھیر نہیں، وہ گوشت و پوست کے بنے ہوئے جسم، اور تقویٰ و طہارت میں ڈھلی ہوئی روحیں تھیں، ان تصانیف کا شمار ہزارہا تک پہونچتا ہے، چند مشہور ترین کے نام ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ تھے، پھر یہ حضرات بھی کتابی تصنیف و تالیف پر ایک لمحے کے لئے متوجہ نہ ہوئے، انھوں نے بھی زندہ ہستیوں کو اپنے نمونہ پر ڈھالنا شروع کیا، اور اپنے شاگردوں کے جسموں میں اپنی روحیں پھونکنے کا عمل جاری رکھا، "صحابہؓ" "تابعین"، اور "تبع تابعین" یہ سب کون تھے، ؟ شاگردوں کی جماعت، مریدوں کی جماعت بیعت کرنے والوں کی جماعت، ارادت رکھنے والوں کی جماعت،

مادی علوم میں آج کون سا علم، اور دستکاری کے پیشوں میں آج کون سا پیشہ ایسا ہے، جسمیں استاد کی مدد لازمی نہیں؟ پھر روحانیت کا علم، جو ان تمام علوم سے زیادہ لطیف، تزکیۂ نفس کا فن، جو ان تمام فنون سے زیادہ دشوار، اللہ کی معرفت، جو ہر شے سے زیادہ نازک ہے، ممکن ہے، کہ اسی میں استاد کی ضرورت پڑے، اس سفر میں تو قدم قدم پر رہنما ناگزیر ہے، اسی رہنما یا ایسے استاد کا اصطلاحی نام پیر و مرشد ہے، کہا جاتا ہے، کہ علماء کے ہوتے ہوئے پیروں کی ضرورت کیا ہے؟ لیکن یہ "مولویوں" اور "پیروں" کی موجودہ تفریق بھی تو ہماری آپ کی قائم کی ہوئی ہے، اسلام اس کا ذمہ دار کب ہے؟ اسلام تو "صادقین"، "متقین"، "مومنین"، "صالحین" "محسنین" کی جماعت پیدا کرنا چاہتا ہے، اسمیں اس تفریق کا گذر ہی نہیں، وہ ہستیاں

تو علم وعمل، قول وفعل، فقہ وفقر، دونوں کی جامع ہوتی تھیں، یہ تفریق تو سیکڑوں دوسری تفریقوں کی طرح، دورِ انحطاط اور امت کی بدبختی و بداقبالی نے پیدا کر رکھی ہے، اور وہی اس کی ذمہ دار ہے،

مریدی کا اصلی راز پیر کی صحبت ہے، چنانچہ لفظ "صحابی" بھی "صحبت" ہی کی اہمیت کو واضح کر رہا ہے، اور پیر کے مفہوم کی جانب ابھی اشارہ ہو چکا ہے، یعنی وہ شخص جس کے نفس کا تزکیہ اس حد تک ہو چکا ہے کہ وہ اپنی رفاقت سے دوسرے کے بھی نفس کا تزکیہ کر دے، وہ کامل جو دوسروں کو بھی کامل بنا سکے، وہ مصلح جس کی ہمنشینی اور دوسروں کی فطری صلاحیتوں کو ابھار دے، پس مرید ہونے کے معنی اس سے زائد کچھ نہیں، کہ جس کے پاک وصالح ہونے پر بھروسہ ہو، .... جس کے تزکیۂ نفس پر اعتماد ہو، یا بہ اصطلاح صوفیہ جس سے قلب کو "ارادت" ہو اس کی خدمت میں، اطاعت و نیازمندی کے ساتھ حضوری رکھی جائے، اور یہ مریدی کلام مجید کے حکم وکونوا مع الصادقین کی عین تعمیل ہے، پوری آیت کے الفاظ یہ ہیں، یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین، گویا محض ایمان کافی نہیں، ایمان والوں سے تو خطاب ہی ہے، ایمان تو پہلے ہی قائم ہو چکا ہے، اب اس کے بعد حکم ہوتا ہے کہ اللہ سے تقوی اختیار کرو، صدق دل سے نمازیں پڑھو، روزے رکھو، ادائے حقوق کرو، وغیرہ، لیکن یہ سارے اعمال بھی کافی نہیں، بلکہ دوسرا حکم یہ ملتا ہے کہ صادقوں کی معیت اختیار کرو، راست بازوں کی صحبت میں رہو، پاکوں کی پیروی کرتے رہو، اور یہی مریدی ہے،،

اتباعِ رسول صلعم کا نام لیا گیا ہے، لیکن رسول خدا صلعم کی زندگی محض خارجی افعال

اور ظاہری اعمال کے مجموعہ کا نام نہ تھی، پیکرِ خاک کے اندر نورِ پاک جلوہ گر تھا، اور اس نور کی تجلی ریزیاں ہر گھڑی اور ہر لحظہ ہوتی رہتی تھیں، تمام صحابہؓ ہر حیثیت سے مساوی نہ تھے، اپنا اپنا ظرف اور اپنی اپنی نظر تھی، حضرت خالدؓ میدانِ جہاد کے یکہ تاز ہوئے، حضرت بلالؓ کسی کی نگاہِ ناز کے خود ہی گھائل ہوئے، حضرت ابوہریرہؓ روایت حدیث کی اشاعت کرتے رہے، حضرت ابن عباسؓ کی قسمت میں ترجمان القرآن بننے کی سعادت آئی، حضرت حسین بن علیؓ کو خاکِ کربلا میں تڑپنا اور خون میں لوٹنا نصیب ہوا، ہر صاحب کا مذاقِ طبیعت جداگانہ تھا، قدرۃً ایک بڑی جماعت کی توجہ امور خارجی پر زیادہ مبذول رہی، اور اس کا بڑی تفصیل سے مطالعہ ہوتا رہا کہ رسول اللہ صلعم نے نماز میں ہاتھ سینے پر باندھا، یا ناف پر، آمین آہستہ فرمائی، یا آواز سے، لیکن ایک دوسری جماعت بھی برابر موجود رہی جسکی نظر ظاہر سے زیادہ باطن پر، قال سے زیادہ حال پر رہا کی، یہ وہ خوش نصیب تھے، جنھوں نے محض "فتح مکہ" کی جلوہ طرازیوں کا تماشا نہیں دیکھا بلکہ "غارِ حرا" کی خلوت آرائیوں کا مزہ بھی چکھا، جنھوں نے محض حرض المومنین علی القتال ہی کا پیام نہیں سنا، بلکہ سبحان الذی اسریٰ کی حقیقت کو بھی پہچانا، اور جنکی نگاہیں محض یہیں تک محدود نہیں رہیں کہ نماز میں کے رکعتیں پڑھی گئیں، بلکہ یہاں تک بھی پہونچیں کہ نماز کس دل سے پڑھی گئی، کس ذوق و شوق سے ادا کی گئی، اور قلب کے اندر خضوع و خشوع کی کیا کیفیتیں جاگزیں رہیں، شجرۂ تصوف و طریقت کے سرِ سلسلہ یہی بزرگان کرامؓ ہوئے ہیں، اس نعمت کے حصہ دار کم و بیش تمام صحابۂ کرامؓ تھے، لیکن خصوصیت کے ساتھ اس دولت سے مالامال، حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابو عبیدہؓ

حضرت ابودرداؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت معاذؓ بن جبل حضرت عمران بن حصینؓ حضرت ابوموسیٰؓ اشعری، وغیرہم تھے، چنانچہ صوفیہ کے قدیم تذکرے انھیں حضرات سے شروع کئے گئے ہیں، اور تصوف کی بعض قدیم ترین تصانیف میں تو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو بھی صراحت کے ساتھ اساطین تصوف میں شمار کیا ہے،

"شریعت" و "طریقت" کے درمیان کوئی تخالف یا تضاد مطلق نہیں، بلکہ اکابر طریقت کے حسب تصریح کمال شریعت ہی کا نام طریقت ہے اتباع رسول صلعم جب تک محض ظواہر تک محدود ہے، اس کا نام شریعت ہے، اور جب قلب و باطن بھی نور اتباع رسول صلعم سے منور ہوگیا، تو یہی طریقت ہے' ایک شخص نے نماز حسب قواعد مندرجۂ کتب فقہ پڑھ لی، شریعت کے رو سے یہ نماز جائز ہوگئی، طریقت اسے کافی نہ سمجھے گی، وہ اس پر مصر ہوگی، کہ جس طرح چہرہ کعبہ کی جانب متوجہ رہا، قلب بھی رب کعبہ کی جانب متوجہ رہے، اور جس طرح جسم حالت نماز میں ظاہری نجاستوں سے پاک رہا، روح بھی باطنی آلائشوں، پریشان خیالیوں سے پاک رہے، یہ شریعت کی مخالفت ہوئی، یا منشاء شریعت کی عین تکمیل؟ حضرت اکبر نے اسی مقام اور اسی منزل کی توضیح اپنے مخصوص انداز میں کی ہے، ؎

شریعت در محفل مصطفےٰ ۔۔۔ طریقت عروج دل مصطفےٰ

عبادت سے عزت شریعت میں ہے ۔۔۔ محبت کی لذت طریقت میں ہے

شریعت میں ہے صورت "فتح صدر" ۔۔۔ طریقت میں ہے معنیٔ "شق صدر"

شریعت میں ہی قیل و قال حبیب ۔۔۔ طریقت میں حسن و جمال حبیب

نبوت کے اندر ہیں دونوں ہی رنگ ۔۔۔ عبث ہے یہ ملا و صوفی کی جنگ

آخر یہ ارشاد بھی تو رسول اللہ صلعم ہی کا ایک باخبر سائل کے جواب میں ہے کہ:-

قال ما الاحسان؟ قال ان تعبد اللہ کانک تراہ، فان لم تکن تراہ فانہ یراک (بخاری کتاب الایمان)

احسان نام اس کا ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اور اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

پوری حدیث میں ایمان کے معنی بعض عقائد کے بتائے گئے ہیں، اور اسلام کے معنی بعض اعمال کے ارشاد ہوئے ہیں، اس کے بعد احسان کی یہ توضیح فرمائی گئی ہے، گویا عقیدہ و عمل کے بعد ایک تیسری منزل، ان دونوں سے بلندتر احسان کی آتی ہے جس کا تعلق محض جاننے اور کرنے سے نہیں بلکہ "مشاہدہ و رویت" سے ہے، یہی منزل تصوف و طریقت کی منزل ہے،

چنانچہ شاہ ولی اللہؒ نے "اہل تصوف" کے بجائے "اہل احسان" ہی کی اصطلاح اختیار کی ہے، اور شاید "اہل صدق" و "صدیقین" کی اصطلاحیں بھی یہی کام دے سکیں لیکن یہ ساری بحثیں محض لفظی ہیں، سوال صرف یہ ہے کہ ایمان کے اجزاء اور اسلام کے ارکان تو کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں، ایمان و عمل کے ظاہری اور خارجی پہلو تو کتابوں سے دریافت ہو سکتے ہیں، لیکن قلب کو مرتبۂ احسان تک پہونچا دینا، تزکیۂ باطن، تجلیۂ نفس، تطہیر اخلاق، بغیر ایک زندہ شخصیت، بغیر ایک مرشد کامل کی وساطت کے کیونکر ممکن ہے؟ جو قانون اور ضابطے کتابوں میں درج کرنے والے تھے، حدیث و آثار و فقہ کی کتابوں میں مدون ہوتے رہے، لیکن جن چیزوں کا تعلق وجدانیات و کیفیات سے ہے، وہ تحریر میں کیونکر آسکتی تھیں، وہ تو ایک قلب سے دوسرے قلب پر اپنا عکس ڈال سکتی ہیں،

یہ مرشد کوئی خود رو اور خود رائے ہستی نہیں ہوتی، بلکہ جس طرح آپ قرآن کی

ساری عبارت کو محض سندِ متصل کی بنا پر کلام الٰہی مانتے چلے آتے ہیں، جس طرح آپ بخاری کی کسی روایت کو محض اس لئے کلام رسول صلعم تسلیم کر لیتے ہیں کہ وہ معتبر سند تسلسل کے ساتھ رسول اللہ صلعم سے روایت ہوئی ہے، ٹھیک اسی طرح اس مرشد کا قلب بھی ایسے ہی مضبوط واسطوں کے ساتھ رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک سے ملا ہوا ہوتا ہے، اس کا رابطۂ روحانی بھی، ایسی ہی زنجیر کی مضبوط کڑیوں کی طرح سرچشمۂ تقدیر ورد حانیت سے جڑا ہوا ہوتا ہے، جس طرح امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ (رحمہم اللہ) ان کی ترتیبوں کو محفوظ رکھے، "آثار رسول صلعم" و "اخبار رسول" (صلعم) کو اپنے ضخیم دفتروں میں ضبط و فراہم کرتے رہے، اسی طرح حسن بصریؒ و جنیدؒ "اسرار رسولؐ"، "انوار رسولؐ" سے اپنے سینوں کو منور کرتے رہے، اُدھر رسولؐ کا قال ایک سفینے سے دوسرے سفینے میں نقل ہوتا رہا، ادھر رسولؐ کا حال ایک سینے سے دوسرے سینے کو طور سینا بناتا رہا، دونوں شعبوں کی جامعیت عہدِ صحابہؓ ہی میں صرف تھوڑے سے خوش نصیبوں کے حصے میں آئی، پھر آج چودھویں صدی میں اس کی تلاش پر کیوں اصرار ہے، تاہم زمانہ اب بھی یکسر خالی نہیں، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور مولانا شاہ بدر الدینؒ کی مبارک ہستیاں اسی چودھویں صدی میں تھیں۔

سوال کیا گیا ہے، کہ اگر کوئی مسلمان اپنی فطری صلاحیت سے اپنے اخلاق کی اصلاح کر لینا چاہے، تو کیا یہ ممکن نہیں؟ جواب میں ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے، کہ اگر کوئی شخص محض اپنی عقل سلیم کی مدد سے خالق و مخلوق کے حقوق پوری طرح ادا کرنے لگے تو کیا یہ کافی نہیں؟ نہیں اور یقیناً نہیں، اگر محض عقل سلیم اور صلاحیت فطری خداشناسی کے لئے کافی ہو، تو کیا کتابوں کے نازل کرنے، انبیاء کرامؑ کے بار بار بھیجے اور ان سے منکرین کے جدال و قتال کا سارا نظام، معاذ اللہ بیکار و عبث ہی ٹھہرتا ہے؟

یہ تنگی نہیں عین وسعت، اور سختی نہیں عین رحمت ہو، کہ دین اور معرفت دین کی نزاکتوں کا بار محض تو اسے عقل پر نہیں ڈال دیا گیا بلکہ اس کے لئے قوائے عقل سے کہیں برتر و بلند تر قوت، وحی الٰہی سے امداد بہم پہونچائی گئی، اور اس نعمت غیر مرئی کو اجسام انبیائے کرام کی شکل میں مرئی و مجسم کر کے پیش کیا گیا، اور دنیا پر ان کی پیروی فرض کی گئی، لفظ فرض اچھی طرح ذہن میں رہے، محض مستحب یا مستحسن نہیں، انبیائے کرام خصوصاً سب سے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی فرض اور قطعی فرض ہے، اگر آج کوئی شخص محض عقلی دلائل سے، یا اپنے باطن کی اشراقیت کو بیدار کر کے، اس نتیجے تک پہونچ جاتا ہو کہ صحیح عقیدہ، عقیدۂ توحید ہے، اور نماز اور روزہ وغیرہ میں بیشمار فوائد ہیں، تو ایسے شخص کا شمار ہرگز مسلموں میں نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ اس نے ان مسائل کو صحیح راستہ سے پیروی رسول صلعم سے اتباع وحی سے، نہیں حاصل کیا، مسلم بننے کے لئے، رسول کے لائے ہوئے دین کی، رسول صلعم کے نمونے کی پیروی لازمی ہو، اور اسلام اور عدم اسلام کے درمیان یہی ایک شے فرق و امتیاز پیدا کرنے والی ہے،

جب پیروی رسول ناگزیر ٹھہری، تو سوال یہ ہے، کہ پیروی رسول صلعم کے معنی کیا ہیں؟ کیا محض الفاظِ رسول صلعم کو قبول کر لینا مراد ہے؟ کیا محض ہیئت عبادتِ رسول صلعم کا اقتدا مقصود ہے؟ کلام مجید میں، ایک جگہ نہیں، متعدد بار، اور کنایۃً نہیں صراحتہً اتباعِ رسول کا حکم وارد ہوا ہے، جہاں کہیں بھی یہ حکم آیا ہے، اپنی مطلق و غیر مقید صورت میں آیا ہے، یہ نہ کہیں ارشاد ہوا ہے، نہ کہیں سے یہ نکلتا ہو کہ امت کے لئے رسول صلعم کے صرف ظاہر کی پیروی کافی ہو، اور باطن کی پیروی غیر ضروری ہے، رسول اللہ صلعم جس طرح ہمارے لئے اسوۂ حسنہ کا حکم بلحاظ اپنی

نماز کی تعداد رکعات کے، رکوع و سجود کے، قیام و قرات کے رکھتے ہیں، اسی طرح وہ نماز
میں خضوع و خشوع کے لحاظ سے، ذوق و وجد کے لحاظ سے کیف و استغراق کے لحاظ سے
بھی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ کے حکم میں داخل ہیں، پس جب باطنِ رسول صلعم کی پیروی
بھی ویسی ہی ضروری ٹھہری جیسی ظاہر رسول صلعم کی، تو اب ارشاد ہو کہ اس پیروی
باطن کی صورت کیا ہے؟ رسالت صلعم کے لفظ اور ظاہر کی پیروی تو کتابوں کے ذریعہ
سے ممکن ہے پر معنی اور باطن کی پیروی کا کیا ذریعہ ہے؟ اخبارِ رسول صلعم تو مجلدات
کے الٹ پلٹ سے ہاتھ آسکتے ہیں لیکن انوارِ رسول صلعم کا عکس کس آئینہ میں نظر
آئے؟ رسول صلعم کی بعثت کے،

بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ، اصلی مقاصد کلام مجید میں اسی پر تلاوت آیات کے بعد دو بتائے گئے ہیں ایک تزکیۂ نفوس، دوسرے تعلیم تشریح کتاب و حکمت، تشریح کتاب و حکمت کا سامان تو
امام بخاری و امام مسلم کی وساطت سے بحمد اللہ ہو گیا، لیکن اس سے بھی مقدم تر مقصد، "تزکیہ" کی آخر کیا صورت ہے؟ "مرشد کی تلاش" "ایک زندہ نائب رسول صلعم کی صحبت"
انھیں سوالات کا جواب ہے؟

یہ مرشد صحیح معنی میں "مقلد" ہوتا ہے، "آئینہ کے پیچھے" "طوطی صفت" رہکر "استاد
ازل" کے سبق کی تکرار کرتے رہنے سے اس کا کام زائد نہیں، کوئی نئی ریاضت،
کوئی نیا مجاہدہ، ایجاد و اختراع کرنا ہرگز اس کا کام نہیں لیکن اجتہاد و استنباط
کا دروازہ تو مقلدوں کے "ائمہ فقہ" اور غیر مقلدوں کے "ائمہ حدیث"، دونوں کے لئے
کھلا ہوا ہے، پھر رحمت عام کا دروازہ غریب صوفی ہی کے حق میں کیوں بند کر دیا گیا؟

وہ ایجاد و اختراع کی بدعت سے یقیناً بچے گا، لیکن جس طرح اہل ظاہر اپنے فہم و قیاس و استنباط کو معطل نہیں کر دیتے، وہ بھی اپنے کشف، اپنے وجدان، اپنے اشراق کو سرے سے معطل نہ کر دیگا، وہ نسخہ جب کبھی بھی لکھے گا، یقیناً شفاخانہ نبوت ہی کے قرابادین سے لکھے گا لیکن مریض کے مزاج وخصوصیات، موسم کے حالات، آب و ہوا کے اثرات وغیرہ کی مناسبت سے اجزاے نسخہ کی ترکیب اس کی اپنی ہوگی، یہ اس کی خودرائی نہیں عین تقلید، بدعت نہیں، عین پیروی سنت ہوگی،

بڑی مصیبت یہ آن پڑی ہے کہ دلیل کے مقدمات میں مثالیں بہروپیوں اور جعلسازوں کی پیش نظر رہتی ہیں، اور نتائج نکالتے وقت سرے سے اصلیت وحقیقت سے انکار کر دیا جاتا ہے! یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اگر پیتل کی چمک دمک پر آپ کو کئی بار سونے کا دھوکا ہو چکا ہے، تو اب آپ سرے سے سونے ہی کے وجود کے منکر ہو چلے ہیں! کہا جاتا ہے، کہ اگر بیعت کا مقصد دعوت الی الحق ہے، تو پیروں کی جماعت آج کہاں تک اس فرض کو ادا کر رہی ہے؟ سوال معقول ہے، لیکن تلاش کو یہیں ختم نہ ہو جانا چاہیے، بلکہ مزید سوالات یہ بھی پیش ہونے چاہئیں، کہ آج علماے ظاہر کہاں تک اپنے فرائض کو ادا کر رہے ہیں، قومی رہنماؤں میں سے کتنوں کے عمل ان کے دعووں کے موافق ہیں؟ اخبارات کے ایڈیٹروں میں کس حد تک خلوص وصداقت ہے؟ مسلمان تاجروں کو کہاں تک دیانت واکل حلال کا خیال ہے؟ وقس علی ہذا، ظاہر ہے کہ اگر قوم کا کوئی طبقہ بھی اپنے اصلی معیار پر قائم ہوتا تو آج یہ دن دیکھنا ہی کیوں نصیب ہوتا، لیکن پیروں کی اکثریت کی بنا پر نیکوں کی اہمیت سے منکر ہو جانا ہرگز نہ شریعت کے مطابق ہے نہ عقل کے، ع

نفی حکمت مکن از بہرِ دلِ عامے چند

تصوف کے ہزاروں سینکڑوں بدنام کرنے والوں کے ہجوم میں کچھ سچے صوفی نواز قسمت بھی موجود ہیں

حضرت شاہ ولی اللہؒ القول الجمیل میں تحریر فرماتے ہیں، کہ رسم بیعت مسنون ہے، اور بیعت صرف بیعتِ خلافت تک محدود نہیں، بلکہ عہد نبویؐ میں بیعت کی متعدد صورتیں رائج تھیں، مثلاً بیعتِ اسلام، بیعتِ ہجرت، بیعتِ جہاد، بیعتِ توبہ، وغیرہ، اور صوفیہ کی مروجہ بیعت، بیعتِ تقویٰ کی قسم میں داخل ہے، خلفاے راشدینؓ کے زمانے میں تو اس بیعت کی علیحدہ ضرورت ہی نہ تھی، اس لئے کہ صحابہؓ کے قلوب و نفوسؓ پہلے صحبتِ رسول صلعم سے خود ہی نورانی تھے، خلفاے راشدینؓ کے بعد فتنہ کے خوف سے اور بیعتِ خلافت کے ساتھ اشتباہ و التباس کی بنا پر یہ بیعت موقوف رہی، اور صوفیہ اس بیعت کا قائم مقام خرقہ کو سمجھتے رہے، پھر جب ملوک سلاطین کا دور آیا، اور بیعتِ خلافت بند ہو گئی، تو صوفیہ کرام نے فرصت کو غنیمت سمجھ کر سنت بیعت کی از سر نو تجدید کی، آگے چل کر حضرت شاہ صاحب جہاں بیعت لینے والے مرشد کے اوصاف کو شمار کراتے ہیں اس کی ایک خصوصیت یہ فرماتے ہیں:-

والشرط الخامس ان یکون صحب المشائخ وتادب بھم دھراً طویلاً واخذ منھم النور الباطن والسکینۃ وھذا لان سنۃ اللہ جرت بان الرجل لا یفلح الا اذا رای المفلحین کما ان الرجل لا یتعلم الا بصحبۃ

پانچویں شرط یہ ہے، کہ مشائخ کی صحبت میں رہ کر ان سے طویل عرصہ تک ادب حاصل کیا ہو اور ان سے نور باطن اور اطمینان حاصل کیا ہو اور یہ شرط اس لئے ہے، کہ سنت الٰہی یوں جاری ہے، کہ کسی انسان کو مراد نہیں ملتی، جب تک اس نے مراد پانے والوں

العلماء وعلى هذا القياس غير ذالك من الصناعات ۔ | کو نہ دیکھا ہو جس طرح علم نہیں حاصل ہوتا بغیر صحبت علماء کے اور علی ہذا القیاس دوسرے پیشے بغیر استاد کے ۔

مضمون یوں ہی بہت طویل ہو گیا ہے، اگر مزید طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا، تو حضرت شاہ صاحب کے ارشاد کی، کہ حصولِ فیض کے لئے کسی زندہ شخصیت کی صحبت لازمی ہے، کلام مجید سے تشریح کیجاتی، اور مرشد کی ضرورت نیز آدابِ مرشد پر واقعۂ حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ سے استدلال کیا جاتا، نیز انسان کے آگے جو حقیقۃً خلیفۃ اللہ ہے سر نہ جھکانے کی وعید پر واقعۂ حضرت آدمؑ و ابلیس سے روشنی ڈالی جاتی، وہیں رسوم صوفیہ اور خرقہ، ذکر وغیرہ، سو ان کا کوئی لازمی تعلق تلاشِ مرشد ومقصدِ بیعت سے نہیں تاہم اگر ان رسوم کی مسنونیت اور سلاسل صوفیہ کی سندِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک معلوم کرنے سے دلچسپی ہو تو شیخ قشاشی کی السمط المجید ملاحظہ کیجا سکتی ہے، جو دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے شایع ہو چکی ہے۔

ایک ضمنی سوال یہ تھا کہ حدیث نبوی صلعم من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ الجاھلیۃ سے کیا مراد ہے؟ مجھے جہاں تک علم ہے ان الفاظ کے ساتھ صحاح میں کوئی حدیث مروی نہیں، یہ روایت شاید طبرانی کی ہے اور محققینِ فن کے نزدیک قابلِ احتجاج نہیں، تاہم اس سے ملتی ہوئی روایات صحاح میں موجود ہیں، مثلاً صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی وہ روایت جس کا آخری ٹکڑا یہ ہے کہ :-

لیس احد یفارق الجماعۃ شبراً فیموت | جو کوئی جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہو گا

الا مات میتۃ جاھلیۃ، اور مر جائیگا، تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی

حدیث کا مفہوم واضح ہے، متابعتِ امام ولزومِ جماعت کی تاکید، امام بخاریؒ نے کتاب الاحکام میں باب السمع والطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ (امام کی اطاعت کرنا جب تک کہ گناہ نہ ہو) کے تحت میں اسے رکھا ہے، اور دوسرے محدثین کرامؒ اس مضمون کی حدیثوں سے لزومِ جماعت و اطاعتِ امیر امت و امامِ جماعت کا مفہوم نکالا ہے، اس پر یہ سوال پیدا ہونا بالکل قدرتی ہے، کہ ایسے ارشاداتِ نبویؐ کی موجودگی میں پھر سات کروڑ مسلمانانِ ہند کا کیا حشر ہوگا؟ ترکِ موالاتِ حکومت کے فتاوے، امارتِ شرعیہ کا قیام، خلافت کمیٹیوں کا نظام، یہ سب اسی سوال کے جوابات کی کوششیں ہیں،